وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔



جلد: ۴۵
شمارہ: ۱۰
جمادی الاخریٰ ۱۴۱۷ھ
نومبر ۱۹۹۶ء
فی شمارہ ۱۰/-
سالانہ زرتعاون ۱۰۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر 10 امریکی ڈالر
- سعودی عرب، کویت، بحرین، عرب امارات، قطر، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان 17 امریکی ڈالر
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ 22 امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر



مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون: 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون: 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

ملک کی داخلی سیاسی فضا پر بے یقینی کے گہرے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ یہ بات اب تقریباً ہر سنجیدہ حلقے کی جانب سے کہی جارہی ہے اور زبان خلق کو بھی اگر نقارۂ خدا سمجھا جائے تو یہی تاثر سامنے آتا ہے کہ موجودہ حکومت اب محض ایک گرتی ہوئی دیوار ہے جسے دھکا دے کر اسے اس کے منطقی انجام تک پہنچانے کی ایک کوشش امیر جماعت اسلامی' محترم قاضی حسین کے دھرنے کی صورت میں سامنے آئی۔ اس دھرنے کے حوالے سے جماعت اسلامی اور موجودہ حکومت کے درمیان محاذ آرائی بلکہ ضدم ضدا کی جو کیفیت پیدا ہو گئی تھی اس کے جلو میں آنے والے سنگین خطرات اور اندیشے ہر صاحب بصیرت شخص کو نظر آ رہے تھے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ مرحلہ خدشات کے برعکس' بہت حد تک بخیرو عافیت گزر گیا۔ اس ضمن میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور تنظیم اسلامی کا موقف یکم نومبر کے خطاب جمعہ کے پریس ریلیز کی صورت میں وضاحت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ مذکور پریس ریلیز کا متعلقہ حصہ ملاحظہ کیجئے :

> "ملک کے سیاسی حالات کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ قاضی حسین احمد اور جماعت اسلامی کے کارکن کامیاب دھرنے پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ جماعت کے قائدین اور کارکنوں نے تمام تر رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود جرات کی داستان رقم کی ہے۔ انہوں نے قاضی صاحب سے کہا کہ وہ جماعت اسلامی کے مخلص' منظم اور اسلام پسند کارکنوں کی قیمتی قوت کو سیاسی محاذ آرائی اور پاور پالیٹکس کی نذر کرنے کی بجائے منکرات کے خلاف استعمال کریں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا انتظامیہ بھی مبارکباد کی مستحق ہے کہ اس نے دھرنے کو روکنے کے لئے گولی کے استعمال سے گریز کیا اور اس کے باوجود کہ بعض جگہ پتھراؤ کی وجہ سے پولیس کو پسپائی اختیار کرنا پڑی لیکن انہوں نے اس پر تحمل کا مظاہرہ کیا"۔

اہل حدیث حضرات کی حدیث سے بے خبری!

مدیر "الدعوۃ" کا طرز عمل تجاہل عارفانہ ہے یا تغافل مجرمانہ؟

ماہنامہ الدعوۃ اہل حدیث مسلک کے ایک گروہ کا نمائندہ پرچہ ہے جو مرکز الدعوۃ والارشاد کے نام سے جہاد کے آخری مرحلے یعنی "قتال فی سبیل اللہ" کی سطح پر سرگرم عمل

ہے۔ اس سوال سے قطع نظر کہ آیا انہوں نے جہاد کے ابتدائی مراحل طے کرنے اور دعوت کا حق ادا کرنے کے بعد قتال فی سبیل اللہ کی وادی میں قدم رکھا ہے یا وہ زقند لگا کر آخری مرحلے تک پہنچے ہیں؟ اور آیا پاکستان میں انہوں نے دعوت و تنظیم کے تمام مراحل طے کر کے ایسی مستحکم سیاسی پوزیشن حاصل کر لی ہے جو نبی اکرم ﷺ کو ہجرت کے بعد مدینہ میں حاصل تھی اور اس کے بعد وہ افغانستان اور کشمیر کے مظلومین کے لئے قتال بالسیف کو سورۃ النساء کی آیت نمبر ۷۵ کے حوالے سے فرض و واجب گردانتے ہیں یا یہاں ابھی وہ دعوت کے ابتدائی مراحل ہی میں ہیں اور کسی ایسے قابل ذکر مرکز کے حصول کے بغیر ہی کہ جہاں وہ سیاسی طور پر غالب و مستحکم ہوں، انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے طریق انقلاب کو پس پشت ڈالتے ہوئے، اپنے طور پر قتال فی سبیل اللہ کے لزوم کا اعلان کر دیا ہے؟، ہم سردست "الدعوۃ" کے اکتوبر کے شمارے میں شائع ہونے والے ایک مضمون کے حوالے سے تاسف اور حیرت کے اظہار پر اکتفا کریں گے۔ اپنے اس پرچے میں "اخبار و آراء" کے مستقل عنوان کے تحت مدیر موصوف نے جلی سرخی کچھ اس طرح باندھی ہے : "ڈاکٹر اسرار نے امام مہدی کے ظہور کا اعلان کر دیا" ۔ اور ساتھ ہی ایک ذیلی سرخی بھی چوکھٹے میں نمایاں انداز میں جڑی ہے : "اب دیکھئے! پر اسرار حجاب اٹھا کر کب یہ بات ظاہر ہو گی کہ لو دیکھ لو۔ میں ظاہر ہو چکا!" ۔ یہ مضمون ابتذال اور جنرل گوئی کا ایک شاہکار ہے کہ اس میں صحافتی دیانت اور ادب و اخلاق کے کسی کمترین معیار کو بھی ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ یہ مغالطہ آمیزی، ہجو گوئی اور غلط بیانی کا ایک ایسا مرقع ہے جس کا سوائے اس کے اور کچھ حاصل نہیں کہ اس کے ذریعے صاحب مضمون کی ثقاہت ہی بری طرح مجروح ہوئی ہے۔

اس مضمون کے تفصیلی جواب کا حق ہم محفوظ رکھتے ہیں۔ تاہم سطور ذیل میں ہم صرف اس امر پر حیرت اور رنج کے اظہار پر اکتفا کریں گے کہ خود کو اہلحدیث کہلوانے والے حدیث رسول سے اس درجے بے خبر اور ذہنا اتنے بعید ہیں کہ جس حدیث صحیح کے حوالے سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب گزشتہ پانچ برسوں سے امت کے پانچ ادوار کا ذکر کر رہے ہیں اور جسے انہوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے بڑے پیمانے پر عام کیا ہے اور ہر موقع پر اس کا ذکر سند اور حوالے کے ساتھ کیا ہے، اس کے بارے میں مدیر "الدعوۃ" لکھتے ہیں : "اس چیز کی انہوں نے (یعنی ڈاکٹر صاحب نے) وضاحت نہیں کی کہ یہ پانچ ادوار کی باتیں انہوں نے قرآن کی کس آیت سے لی ہیں اور نبی ﷺ کی کس حدیث سے لی ہیں۔ چونکہ ایسی کوئی آیت

اور حدیث ہے ہی نہیں جہاں پانچ ادوار کا ذکر ہو لہٰذا ڈاکٹر صاحب کو الہام ہی ہو سکتا ہے۔ ہوا کہاں سے ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب ہی بتلائیں تو بہتر ہے"۔

اب اسے مدیر الدعوۃ کا تجاہل عارفانہ قرار دیا جائے یا تغافل مجرمانہ، اس کا فیصلہ ہم مدیر موصوف پر چھوڑتے ہیں۔ سطور ذیل میں ہم وہ حدیث مکمل سند کے ساتھ درج کر رہے ہیں۔ تاہم ہمیں حیرت اس بات پر ہے کہ صاحب مضمون کو طنز و استہزاء کے زہر میں بجھا ہوا یہ مضمون لکھنے کی ایسی کیا عجلت تھی کہ اس کی تحریر سے قبل نہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے یا تنظیم اسلامی کے کسی ذمہ دار شخص سے براہ راست یہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس کی کہ اس حدیث کا حوالہ کیا ہے، حالانکہ یہ کام وہ بہت آسانی سے کر سکتے تھے، اور نہ خود انہوں نے ذخیرۂ حدیث پر نظر ڈالنے کی کوئی حاجت محسوس کی، حالانکہ آجکل ایسے کمپیوٹر سافٹ ویئر عام دستیاب ہیں کہ جن کے ذریعے کسی حدیث کی سند اور حوالہ تلاش کرنا انتہائی سہل ہو چکا ہے اور جس کام کے لئے ہفتہ عشرہ درکار ہوتا تھا وہ اب چند منٹ میں سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ اور اہل حدیث حضرات کے بارے میں ہمارا حسن ظن یہ تھا کہ وہ حدیث رسولؐ میں خصوصی شغف رکھتے ہیں اور اشتغال بالحدیث ان کا طغرائے امتیاز ہے۔ لیجئے حدیث کا متن ملاحظہ فرمایئے :

حدّثنا سليمانُ بنُ دَاوُدَ الطَّيالِسِيُّ حدّثني داودُ بنُ إبراهيمَ الوَاسِطِيُّ حدَّثني حَبيبُ بنُ سالمٍ عنِ النُّعمانِ بنِ بَشيرٍ قال كنّا قُعودًا في المسجدِ معَ رسولِ الله ﷺ وكانَ بَشيرٌ رجُلاً يَكُفُّ حَديثَهُ فجاءَ أبو ثَعْلَبَةَ الخُشَنِيُّ فقال يا بَشيرُ بنَ سعدٍ أَتَحفَظُ حَديثَ رسولِ الله ﷺ في الأُمراءِ فقال حُذَيفَةُ أنا أَحفَظُ خُطبَتَهُ فجلسَ أبو ثَعلبةَ فقال حُذيفةُ قال رسولُ الله ﷺ : **((تكونُ النُّبُوَّةُ فيكم ما شاءَ اللهُ أن تَكون، ثمَّ يَرفَعُها إذا شاءَ أن يرفَعَها ثمَّ تكونُ خلافةٌ على مِنهاجِ النُّبُوةِ فَتكونُ ما شاءَ اللهُ أَن تَكونَ، ثمَّ يَرفعُها إذا شاءَ اللهُ أَن يَرفعَها ثمَّ تكونُ مُلكًا عَاضًا فيكونُ ما شاءَ اللهُ أَن يَكونَ، ثمَّ يَرفعُها، إذا شاءَ أَن يرفعَها، ثمَّ تَكونُ مُلكًا جَبرِيَّةً فَتكونُ ما شاءَ اللهُ أَن تَكونَ، ثمَّ يرفعُها إذا شاءَ أَن يرفعَها، ثمَّ تكونُ خِلافةً على مِنهاجِ النُّبوَّةِ، ثمَّ سَكتَ))**. (مسند أحمد ، حديث ١٧٦٨٠)

مدیر "الدعوۃ" کا یہ سارا ہی مضمون غلط بیانیوں اور مغالطہ آمیزیوں کا پلندہ ہے اور اس کا اصل سبب یہ ہے کہ مدیر موصوف نے ڈاکٹر صاحب کا موقف جانے اور سمجھے بغیر طنز کے تیر چلائے ہیں۔ بلکہ ان کے اس مضمون کو پڑھ کر یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ نہ وہ "میثاق" اور "ندائے خلافت" کا مطالعہ کرتے ہیں کہ جو محترم ڈاکٹر صاحب کے موقف کے ترجمان پرچے ہیں، نہ انہوں نے کبھی ڈاکٹر صاحب کا ان موضوعات پر کوئی خطاب براہ راست یا بذریعہ کیسٹ سنا ہے، بلکہ یہ بات بھی دعوے کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی جانب منسوب اخباری بیانات بھی غور سے نہیں پڑھے بلکہ ان کے جزوی اور سرسری مطالعے پر اکتفا کرتے ہوئے اپنے قلم کو نشتر کی صورت دے دی ہے۔

ہم نے محترم ڈاکٹر صاحب کے مذکورہ خطاب جمعہ کو زیر نظر شمارے میں شائع کر دیا ہے۔ وہ اگر واقعی محترم ڈاکٹر صاحب کے موقف کو جاننے میں سنجیدہ ہیں تو اس کا مطالعہ کریں اور پھر اگر انہیں کسی بات سے اختلاف ہے تو سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اختلاف کریں۔ جو رویہ انہوں نے اختیار کیا ہے وہ تو کسی ایسے عام اخباری صحافی کو بھی زیب نہیں دیتا جو دینی اقدار و اخلاق سے بیگانہ ہو، چہ جائیکہ ایک دینی تحریک سے وابستہ ذمہ دار صحافی اتنی پست سطح تک اتر آئے۔

ہم مدیر الدعوۃ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اخلاقی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے "الدعوۃ" کے اگلے شمارے میں حدیث رسول ؐ کے بارے میں اپنی اس غلطی کا اعتراف کریں اور اس حوالے سے انہوں نے محترم ڈاکٹر صاحب پر جو کیچڑ اچھالا ہے اس پر معذرت کریں۔ اگر وہ اس پر تیار نہ ہوں تو انہیں کم از کم اس اخلاقی جرات کا مظاہرہ تو ضرور کرنا چاہئے جس کی طرح محترم ڈاکٹر صاحب بہت پہلے ڈال چکے ہیں۔ وہ اگر بھول رہے ہیں تو ہم انہیں یاد دلاتے ہیں کہ دو سال قبل تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے موقع پر امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ان کے قائد اور امیر حافظ سعید صاحب کو دعوت خطاب دی تھی اور اس بات کا پورا موقع فراہم کیا تھا کہ وہ تنظیم اسلامی کے رفقاء کے سامنے اپنا موقف اور غلبہ و اقامت دین کے لئے اپنے طریق کار کو وضاحت سے پیش کریں۔ مرکز الدعوۃ والارشاد کا سالانہ اجتماع بھی آیا ہی چاہتا ہے، مدیر "الدعوۃ" اور ان کے قائد میں اگر اخلاقی جرات ہے تو وہ ڈاکٹر صاحب کو اپنے اجتماع میں شرکت کی دعوت دیں اور اظہار خیال کا موقع عنایت فرمائیں۔ انہیں اگر اپنے موقف اور منہج عمل پر اعتماد ہے تو انہیں محترم ڈاکٹر صاحب کو دعوت خطاب دینے میں ہرگز تامل نہیں ہونا چاہئے!

مہدیؒ موعودؒ کی شخصیت

قرآن کے فلسفۂ تاریخ اور احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ۱۱/ اکتوبر کا خطاب جمعہ

نَحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہٖ الکریم

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ میرا بیرون ملک اور اندرون ملک سارا سفر طے شدہ پروگرام کے مطابق مکمل ہوا۔ میں نے ۲۰/ ستمبر کا جمعہ نیویارک میں اور ۲۷/ ستمبر کا جمعہ پاکستان کے انتہائی شمالی علاقے دیر میں ادا کیا۔ جبکہ اس کے بعد ۴/ اکتوبر کا جمعہ تنظیم اسلامی پاکستان کے سالانہ اجتماع کے موقع پر راولپنڈی میں ادا کیا' جہاں میرے خطاب جمعہ کی حیثیت سالانہ اجتماع کے افتتاحی خطاب کی تھی۔ اس بار ہمارا سالانہ اجتماع کل پاکستان اجتماع نہیں تھا' بلکہ یہ پنجاب کے اکثر و بیشتر حصے (یعنی جنوبی پنجاب کے ماسوا)' آزاد کشمیر اور صوبہ سرحد کے رفقاء کا اجتماع تھا' جو ۴ سے ۶/ اکتوبر تک لیاقت باغ راولپنڈی میں ہوا۔

اس سفر کے دوران مجھ پر بیماری کے دو شدید حملے بھی ہوئے۔ ایک مرتبہ امریکہ میں جبکہ وہاں پروگرام جاری تھا' فوڈ پائزننگ کی بہت شدید شکایت ہوئی' لیکن الحمد للہ اس کے باوجود وہاں ہمارا پروگرام طے شدہ شیڈول کے مطابق تکمیل کو پہنچا۔ اس پروگرام میں میری تین تقریریں تھیں اور میرے لئے خوش قسمتی کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جس تقریب میں شرکت کے لئے مجھے بھی خصوصی طور پر وہاں مدعو کیا گیا تھا' اس میں مسجد حرام کے ائمہ کرام میں سے ایک امام ڈاکٹر عبد اللہ صالح بن عبید مہمان خصوصی تھے' لہٰذا انہوں نے میری یہ تینوں تقریریں سنیں اور اس طرح ہماری اس دعوت کا تعارف سعودی عرب کے دینی حلقے کی ایک چوٹی کی شخصیت کے ساتھ ہوا۔

خود امریکہ میں ایک بہت معروف سکالر عمران این حسین' جن سے میرا تعارف تو

کئی سال سے ہے اور وہ میرے دروس و خطابات میں شرکت کے لئے بڑے ذوق و شوق سے آیا کرتے تھے، اس مرتبہ ہمارے بہت قریب آ گئے۔ عمران این حسین کا اصل تعلق ویسٹ انڈیز سے ہے اور ان کا مقام پیدائش ٹرینیڈاڈ ہے۔ امریکہ میں ان کا شمار ان معدودے چند معروف ترین سکالرز میں ہوتا ہے جو انگریزی زبان میں گفتگو کر کے لوگوں کو دین کی بات سمجھا سکتے ہیں۔ امریکہ میں چونکہ اب ہر شہر میں اسلامک سنٹرز قائم ہو چکے ہیں اور بڑی تعداد میں مساجد تعمیر ہو گئی ہیں، جبکہ اس طرح کے سکالرز کی تعداد وہاں بہت کم ہے، لہٰذا پورے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا میں ان حضرات کی ڈیمانڈ رہتی ہے اور انہیں آئے روز مختلف شہروں میں خطابات کے لئے جانا پڑتا ہے۔ عمران این حسین ان سکالرز میں بہت نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اور انتہائی ذہین و فطین اور باصلاحیت انسان ہیں۔ اس سفرِ امریکہ میں یہ ہمارے اس قدر قریب آ گئے ہیں کہ وہ ہمارے سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے پاکستان تشریف لائے اور مجھ سے بیعت کر کے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ یہ درحقیقت ان بڑی علامتوں میں سے ایک ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے ہاتھوں کوئی خیر منظور ہے، ورنہ جو شخص جتنا زیادہ مشہور اور نمایاں ہو جائے اور لوگوں کے لئے مطلوب ہو چکا ہو اس کے لئے ایثارِ نفس اتنا ہی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔

اپنی بیماری ہی کی حالت میں امریکہ کا پروگرام نمٹانے کے بعد واپس آیا تو پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مجھے فوری طور پر دِیر جانا تھا۔ میں کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ مجھے اس علاقے سے اس اعتبار سے خصوصی دلچسپی ہو گئی ہے کہ احادیثِ نبویہؐ میں جس "خراسان" کے بارے میں پیشینگوئیاں موجود ہیں کہ حضرت مہدی کی مدد کے لئے وہاں سے لشکر روانہ ہوں گے اس میں یہ علاقہ بھی شامل ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں "خراسان" کا اطلاق جس ملک پر ہوتا تھا اس میں موجودہ خراسان (ایران) کے علاوہ افغانستان کا تقریباً دو تہائی حصہ اور پاکستان کا کم از کم مالاکنڈ ڈویژن کا علاقہ شامل ہے۔ یہاں کے لئے کئی مرتبہ پروگرام بنے لیکن بوجوہ ملتوی کرنا پڑے۔ اس مرتبہ اگرچہ میں امریکہ سے آ کر صرف ایک دن آرام کر سکا تھا لیکن میں نے پروگرام کے مطابق دِیر کا طویل سفر اختیار کیا۔ وہاں پر بحمد اللہ ہمارا ایک بہت ہی کامیاب جلسہ ہوا۔ ایک اور قابل

ذکر بات وہاں پر یہ ہوئی کہ ہمارے ایک نہایت باصلاحیت اور پرانے ساتھی، جو اس علاقے میں خاصے معروف ہیں، انہوں نے اس مرحلے پر طے کر لیا کہ وہ اپنی ملازمت کو خیرباد کہہ کر اپنے آپ کو ہمہ وقت دین اور تنظیم کے کام کے لئے وقف کر دیں گے، حالانکہ اس وقت ان کی تنخواہ تیس ہزار روپے ماہانہ ہے۔ یہ بات بھی یقیناً اچھی علامات میں سے ہے۔

سالانہ اجتماع سے قبل میں بڑی شدت سے اسہال میں مبتلا ہو گیا۔ بہرحال جس طرح بھی ممکن ہوا میں نے اس میں شرکت کی اور خطابات بھی کئے، اگرچہ کیفیت یہ تھی کہ صرف خطاب کے لئے بمشکل اٹھ کر چلا جاتا تھا اور تقریر کے بعد واپس آ کر پھر بے سدھ پڑ جاتا تھا۔ سالانہ اجتماع کے موقع پر اگرچہ موسم کی ناموافقت کے باعث ہمارے عمومی پروگرام اتنے کامیاب نہیں ہو سکے کیونکہ بارش کی وجہ سے لیاقت باغ کیچڑ اور دلدل سے بھر گیا تھا، لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ تنظیمی سطح پر ہمیں الحمدللہ بہت فائدہ ہوا۔ اس لئے کہ اجتماع کے مختلف پروگرام مختلف جگہوں پر ہونے کے باعث ہمارے ساتھیوں کی وہاں جو نقل و حرکت ہوئی اس سے راولپنڈی کے لوگوں کو تنظیم اسلامی کو قریب سے دیکھنے کا زیادہ موقع ملا۔ دوسری طرف ہمیں بھی اپنے ساتھیوں کو آزمانے اور جانچنے کا موقع مل گیا کہ نامساعد حالات میں کسی کے ماتھے پر شکن اور کسی کے لب پر کوئی شکوہ و شکایت تو نہیں ہے۔ لیکن ہمارے ساتھیوں نے بڑے صبر اور سکون کے ساتھ اس سارے معاملے کو برداشت کیا۔ اس اعتبار سے ہمارا یہ اجتماع الحمدللہ بہت کامیاب رہا۔

ان دنوں مجھے جو پے در پے سفر اختیار کرنا پڑے ہیں ان میں پشاور کے حالیہ سفر کی مثال بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ پرسوں بدھ کے روز میں نے یہاں قرآن اکیڈمی میں فجر کی نماز کی امامت کرائی، پھر ہوائی سفر سے پشاور گیا، جہاں "IRNUM" (انسٹیٹیوٹ آف ریڈیو تھراپی اینڈ نیوکلیئر میڈیسن) نامی ادارے میں ڈاکٹر حضرات اور وہاں کے دیگر سٹاف کے سامنے دو بجے سے ساڑھے تین بجے تک خطاب کیا۔ نماز عصر کے بعد تنظیم اسلامی حلقہ سرحد کے ناظم میجر (ر) فتح محمد صاحب کی بیٹی کا نکاح تھا۔ ہم نے شادی بیاہ کی تقریبات میں اصلاح کی جو تحریک شروع کی تھی اسے اب بائیس برس ہو چکے ہیں۔ اس

اصلاحی تحریک کے حوالے سے میجر صاحب اور ہمارے پشاور کے ساتھیوں نے اس موقع پر غیر معمولی تشہیر کا اہتمام کیا۔ شہر میں ۵۰۰ پوسٹر چھپوا کر لگائے گئے اور بینرز بھی آویزاں کیے گئے۔ اس طرح میجر صاحب نے اس تحریک کو نہ صرف اپنی پوری برادری میں بلکہ پورے علاقے میں متعارف کرایا۔ نکاح کی یہ تقریب پشاور کی سنہری مسجد میں منعقد ہوئی جو اس موقع پر کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ میں نے وہاں خطبہ نکاح دیا اور شادی بیاہ کے ضمن میں اصلاح رسوم کے حوالے سے مفصل تقریر کی۔ رات کو میں سڑک کے راستے لاہور کے لئے روانہ ہوا اور فجر کی نماز پھر لاہور میں ادا کی۔

علماء کا حالیہ رویّہ اور اس کا سبب

اب میں اپنے آج کے موضوع کی طرف آتا ہوں، جس کا اخباری اشتہار آپ نے ملاحظہ کر لیا ہو گا۔ جناب عمران این حسین صاحب نے قرآن آڈیٹوریم میں جو تین لیکچر دیئے ہیں ان میں سے آخری لیکچر کل "سورۂ کہف اور عہد حاضر" کے موضوع پر تھا۔ حسب اعلان مجھے ان کے اسی لیکچر کے تسلسل میں فتنہ دجال اور حضرت مہدیؑ موعود کی شخصیت پر گفتگو کرنا ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ راولپنڈی میں اپنے ۴/ اکتوبر کے خطاب جمعہ میں میں نے یقین کے درجے کو پہنچے ہوئے اپنے اس گمان غالب کا جو اظہار کیا تھا کہ عالم عرب میں حضرت مہدی کی ولادت ہو چکی ہے اور ان کے منظر عام پر آنے کا وقت اب زیادہ دور نہیں ہے، اس پر مذہبی حلقوں میں بہت لے دے ہوئی ہے اور ایک تہلکہ سا مچ گیا ہے کہ انہوں نے یہ کیا کہہ دیا! کسی نے یہاں تک کہا ہے کہ ان کا دماغی معائنہ کروانا چاہئے۔ مجھے ان صاحب کی اس پیشکش پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ میں اسے خوش آمدید کہتا ہوں۔ بہرحال اس سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں ہے کہ ہمارے ہاں علماء کا بھی ایک بہت بڑا طبقہ دین کی بنیادی باتوں سے ذہناً کس قدر دور ہو چکا ہے۔ تحریکِ خلافت کے ضمن میں جب میں نے بنوں میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے وہ احادیث بیان کیں جن میں دنیا کے خاتمے سے قبل پورے کرۂ ارضی پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کی خوشخبری دی گئی ہے تو وہاں کے ایک جید عالم دین مولانا الطاف الرحمٰن بنوی

صاحب (جو کافی عرصہ پہلے ہمارے ہاں قرآن اکیڈمی لاہور میں مدرّس کی حیثیت سے کام کر چکے ہیں) نے گفتگو کے دوران اعتراف کیا کہ یہ احادیث ہمارے علم میں بھی نہیں ہیں، اس لئے کہ دینی مدارس میں کتب حدیث کے شروع کے ابواب تو بڑے اہتمام سے پڑھائے جاتے ہیں اور وضو اور نماز وغیرہ کے مسائل پر بڑی تفصیلی بحثیں کی جاتی ہیں کہ مختلف مسالک و مذاہب میں فقہی اختلافات کے دلائل کیا ہیں اور ان کے ضمن میں ہماری ترجیح کیا ہے اور اس کے کیا دلائل ہیں، لیکن آخر میں کتاب الفتن، کتاب الملاحم اور کتاب اشراط الساعۃ وغیرہ پر پہنچتے پہنچتے سارا زور صرف ہو چکا ہوتا ہے اور ان ابواب کو سرسری طور سے پڑھ لیا جاتا ہے اور ان میں کوئی دلچسپی نہیں لی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے ہاں علماء کے نام سے جو لوگ جانے پہچانے جاتے ہیں وہ بھی ان چیزوں سے بڑا ذہنی بُعد رکھتے ہیں اور مستند علماء دین کی اکثریت بھی ان سے بڑی حد تک ناواقف ہے۔ چنانچہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس ضمن میں جو مغالطے پیدا ہوئے ہیں اور لوگوں کو جو اشکالات پیدا ہو رہے ہیں ان کے ازالے کے لئے میں اس موضوع پر ذرا مفصل گفتگو کروں۔

قرآن کا فلسفہ تاریخ

آج کی گفتگو کے لئے میں قرآن حکیم کی اس آیت کو بطور عنوان اختیار کر رہا ہوں جس میں قرآن کا فلسفہ تاریخ بیان ہوا ہے :

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ، وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ۝﴾ (الانبیاء : ۱۸)

"مگر ہم تو حق کو باطل پر دے مارتے ہیں، جو اس کا بھیجا نکال دیتا ہے، اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے نابود ہو جاتا ہے۔ اور تمہارے لئے تباہی ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم بناتے ہو۔"

یعنی اللہ تعالیٰ باطل کی سرکوبی کے لئے حق کا کوڑا اس کے سر پر مارتا ہے، جس سے باطل کا سر پاش پاش ہو جاتا ہے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر باطل کے لئے "فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ" کے الفاظ آئے ہیں۔ یہی لفظ (زھق) سورۃ الاسراء (آیت ۸۱) میں بایں طور آیا ہے :

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝﴾

"حق آگیا اور باطل مٹ گیا' باطل تو یقیناً مٹنے ہی والا ہے۔"

باطل میں یہ طاقت اور مقاومت نہیں ہے کہ وہ حق کے مقابل کھڑا ہو سکے۔ البتہ اگر اہل حق ہی بے یقینی کا شکار ہو جائیں' ان میں منافقت پیدا ہو جائے اور وہ بزدل' بے حمیت اور بے غیرت ہو کر اندر سے کھوکھلے ہو جائیں تو بات دوسری ہے۔ پھر تو "راج کرے گا خالصہ' ہور کرے نہ کوئی" کے مصداق باطل ہی ناچے گا بلکہ ننگا ناچ ناچے گا۔ اس بھیانک صورت حال کی عکاسی نبی اکرم ﷺ کی اس لرزا دینے والی حدیث میں ملتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جسے امام بیہقی "شعب الایمان" میں لائے ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں :

((يُوشِكُ اَنْ يَاْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الاسلام اِلَّا اسْمُهٗ' وَلَا يبقٰى مِنَ القُرآنِ اِلَّا رَسْمُهٗ' مَسَاجِدُهُم عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الهُدٰى' عُلَمَاؤُهُم شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيمِ السَّمَاءِ' مِنْ عِنْدِهِم تَخرُجُ الفِتنَةُ وفِيهِم تَعُودُ))

(مشکوٰۃ' کتاب العلم)

"قریب ہے کہ لوگوں پر یہ وقت آجائے کہ اسلام میں سے اس کے نام کے سوا کچھ نہیں بچے گا اور قرآن میں سے اس کے حروف کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ ان کی مساجد بظاہر بڑی آباد ہوں گی (اور بہت عالیشان ہوں گی) لیکن وہ ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کی چھت کے نیچے کے بدترین لوگ ہوں گے' جو فتنوں کو جنم دیں گے اور یہ فتنے واپس انہی میں لوٹ جائیں گے۔"

آج ہمیں اس صورت حال کی جھلک اپنے ان علماء میں نظر آتی ہے جنہوں نے دین کو پیشہ بنالیا ہے۔ ان کی ساری دلچسپی امت میں فتنے پیدا کرنے اور اس میں تفرقہ پیدا کرکے اپنی دوکان چمکانے سے ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ امت میں جتنا زیادہ اختلاف ابھرے گا' لوگوں کو مناظروں کے لئے مولویوں کی اتنی ہی زیادہ ضرورت ہوگی۔

تو اگر حق اس درجے کمزور اور کھوکھلا ہو چکا ہو تو پھر باطل کا بول بالا رہے گا' لیکن اگر کچھ بھی باصلاحیت' اعلیٰ کردار کے حامل لوگ' جنہیں خریدا نہ جاسکتا ہو' جو دین کو پیشہ نہ

سمجھیں بلکہ اس کے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھتے ہوں' معتد بہ تعداد میں تیار ہو جائیں تو پھر وہ دیکھیں گے کہ باطل میں مقابلہ کرنے کی قوت نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے اس فارسی شعر میں متذکرہ بالا آیت (بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ......) والا انداز ہی اختیار کیا ہے ؎

با نشۂ درویشی در ساز و دمادم زن!
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!!

پہلے درویشی اختیار کرو۔ یعنی تربیت و تزکیہ کے مراحل سے خود کو گزارو' اپنے سیرت و کردار کو تزکیۂ نفس کے ذریعے ایک خاص سطح تک لے کر جاؤ' پھر دعوت کے تقاضے پورے کرو' لوگوں پر اتمامِ حجت کرو' ان کے طعنے اور گالیاں سنو اور صبر کرو۔ اس طرح "تو خاک میں مِل اور آگ میں جل' جب خشت بنے تب کام چلے" کے مصداق جب پختہ ہو جاؤ تو باطل سے ٹکرا جاؤ۔ سمندر کے کنارے سے کچی ریت اٹھا کر اس کا گولہ بنا کر کہیں مارو گے تو ریت بکھر جائے گی' اس سے کسی کا بھی کچھ نہیں بگڑے گا' یہاں تک کہ یہ شیشے کو بھی نہ توڑ سکے گی' لیکن اسی ریت کو اگر بھٹی میں پکا کر روڑا بنا لو گے تو یہ کار آمد ثابت ہو گا۔ محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے پہلے اپنے ساتھیوں کی تربیت اور ان کا تزکیہ کیا۔ جب وہ آزمائشوں کی بھٹیوں سے گزر کر کندن بن گئے تو انہیں باطل کے مقابل لا کھڑا کیا اور ان کا کوڑا بنا کر باطل کے سر پر دے مارا جس سے باطل نابود ہو گیا اور حق کا بول بالا ہو گیا اس طرح "مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهٗ" (صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہم اجمعین) نے جزیرہ نمائے عرب میں اسلامی انقلاب برپا کر دکھایا۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے حق کا کوڑا باطل پر برسایا اور اس کا بھیجا نکال دیا۔ یہ محض تعبیر کا فرق ہے کہ ہم اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ اور آپ ؐ کے ساتھیوں کی طرف کریں یا اللہ تعالیٰ کی طرف کریں' اس لئے کہ فاعلِ حقیقی تو اللہ کے سوا کوئی نہیں' اور اس کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اذنِ رب ہی سے ہوتا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے وصایا میں یہ جملہ حرزِ جان بنانے کے قابل ہے کہ "لا فاعلَ فِی الحقیقۃِ ولا مؤثر الا اللّٰہ" یعنی فی الحقیقت اللہ کے سوا کوئی فاعل اور کوئی مؤثر ہے ہی نہیں۔

سورۃ الانبیاء کی متذکرہ بالا آیت کا آخری ٹکڑا بھی بہت اہم ہے کہ "وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ" یعنی "تمہارے لئے تباہی و بربادی ہے ان باتوں سے جو تم بناتے ہو"۔ اس میں بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے حضرات کے لئے لمحہ فکریہ ہے ان الفاظ کا اطلاق ان پر بھی ہو سکتا ہے۔

زیر نظر آیت میں دراصل قرآن کا فلسفۂ تاریخ بیان ہوا ہے کہ حق و باطل کی کشاکش روزِ اول سے چلی آ رہی ہے، جس میں اگرچہ اکثر و بیشتر باطل کا پلڑا بھاری دکھائی دیتا ہے، لیکن جب کبھی حق کو باکردار صاحبِ حق مل جائیں تو اس کا منطقی نتیجہ باطل کے نیست و نابود ہو جانے اور حق کے غالب ہو جانے کی صورت میں نکلتا ہے۔ قرآن کے اس فلسفۂ تاریخ کو اقبال نے بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بو لہبی!

محمد رسول اللہ ﷺ اور ابولہب کے درمیان تصادم صرف مکہ کی سرزمین ہی پر نہیں ہوا، بلکہ یہ ہمیشہ سے موجود دو کردار ہیں جو حق اور باطل کی علامت ہیں اور ان کے درمیان کشاکش، تصادم اور معرکہ آرائی روزِ ازل سے جاری ہے۔ کبھی وہ چراغِ مصطفویؐ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صورت میں جلوہ گر ہوا تھا اور شرار بولہبی فرعون کی شکل میں آیا تھا۔ کبھی وہی چراغ مصطفویؐ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صورت میں ظہور کر رہا تھا اور نمرود اس وقت شرار بولہبی کا مظہر تھا۔ ازل سے جاری حق و باطل کی یہ معرکہ آرائی بتدریج اپنے نقطۂ عروج کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یہ قانون فطرت ہے کہ ہر چیز ارتقاء کے مراحل طے کرتے ہوئے اپنے نقطۂ کمال کو پہنچتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ انسان کا طبعی سائنس کا علم ارتقاء کر کے کہاں پہنچ گیا ہے کہ ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے!

انسان چاند پر تو قدم رکھ آیا ہے، جبکہ مریخ کا طواف ہو رہا ہے اور اسے وہاں اترنے میں کیا دیر لگے گی! اسی طرح حق و باطل کی کشمکش بھی ارتقاء کے مراحل طے کرتے کرتے

اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ رہی ہے اور یوں سمجھئے کہ اب فائنل شوڈاؤن ہونے والا ہے۔ حق و باطل کا آخری مقابلہ بڑا ہی خون ریز اور تباہ کن ہوگا، جس کی تفاصیل ہمیں "کتاب الملاحم" کی احادیث میں ملتی ہیں۔ مَلاحِم 'مَلْحَمَة' کی جمع ہے، یعنی ایسی گھمسان کی جنگ کا موقع جہاں گوشت کے ٹکڑے اڑ رہے ہوں۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ "لحم" گوشت کو کہتے ہیں اور "مَلحَم" قصاب کی دوکان کو۔

لفظ "مَلحَمة" کے حوالے سے مجھے فتح مکہ کا یہ واقعہ یاد آگیا ہے کہ اس روز حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہاتھ میں علم تھامے یہ رجز پڑھ رہے تھے "اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَة" یعنی آج ٹکڑے اڑانے کا دن ہے، آج ہم کفارِ قریش سے ان کی زیادتیوں کے گن گن کر بدلے لیں گے۔ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کے علم میں آئی تو آپؐ نے حضرت سعدؓ کو بلا کر فرمایا کہ نہیں، بلکہ "اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَرْحَمَة" یعنی آج تو رحمتِ خداوندی کے ظہور کا دن ہے۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد آپؐ نے سردارانِ قریش کو جمع کر کے پوچھا کہ آج تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے؟ اس پر انہوں نے انتہائی لجاجت کے ساتھ خوشامد کرتے ہوئے عرض کیا: کریمٌ ابنُ کریمٍ ---- یعنی آپ خود بھی ایک نہایت شریف انسان ہیں اور ایک نہایت شریف انسان کے بیٹے ہیں! مطلب یہ کہ ہم آپ سے اس طرز عمل کی توقع رکھتے ہیں جو آپؐ کی شرافت و نجابت کے شایانِ شان ہو۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے ٹھیک کہا، آج میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے کہی تھی: "لَاتَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، اِذْهَبُوا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاء" آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ جاؤ، تم سب آزاد ہو!

تو کتاب الملاحم میں ان جنگوں کی تفاصیل پر مشتمل احادیث ہیں جو بعد میں آنے والی ہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا، حق و باطل کی کشاکش ازل سے جاری ہے اور اپنے نقطۂ عروج کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اب یہ اس مرحلے پر پہنچ چکی ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے ۔

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

اللہ کو پامردئ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا!

اس کشاکشِ حق و باطل کا نقطۂ عروج (Climax) وہ جنگ عظیم ہوگی جسے احادیث میں "اَلمَلحَمَۃ العظمٰی" کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی یہ تاریخ انسانی کی عظیم ترین جنگ ہوگی، جس کی ہلاکت آفرینی کا نقشہ ایک حدیث میں بایں طور کھینچا گیا ہے کہ زمین لاشوں سے اس طرح اٹی پڑی ہوگی کہ ایک پرندہ مسلسل اڑتا چلا جائے گا لیکن اسے زمین پر اترنے کے لئے جگہ نہیں ملے گی۔

عظیم جنگوں پر مشتمل اس دورِ فتن کا اختتام کس طور سے ہوگا؟ اس کے ضمن میں پیشینگوئیوں پر مشتمل احادیث میں بارہا بیان کر چکا ہوں۔ گویا پھر "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ" کا نقشہ سامنے آئے گا اور آیتِ قرآنی "بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ" بتمام و کمال ظاہر ہوگی۔ پورے عالمِ انسانی پر اللہ کے دین کا غلبہ ہوگا اور توحید کا پرچم لہرائے گا۔ نورِ توحید سے یہ کرۂ ارضی منور ہو جائے گا۔ گویا "وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا"۔ زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ اس کی پیشینگوئیاں جہاں احادیثِ نبویہ میں موجود ہیں وہاں علامہ اقبال نے بھی اپنے اشعار میں جابجا کی ہیں۔ اس ضمن میں ان کی ایک نظم تو میرے نزدیک الہامی نظم ہے۔ واضح رہے کہ وحیِ نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد ہم رؤیائے صادقہ (سچے خواب) کے علاوہ کشف اور الہام کے قائل ہیں، کیونکہ ان کا ثبوت احادیثِ نبویہ سے ملتا ہے۔ اقبال کی اس نظم کے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے ۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی!
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی!
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!!

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے!
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے!!

بہرحال یہ تو ہونا ہے۔ لیکن اس سے پہلے جو کچھ ہونا ہے اس کا بھی میں بارہا تذکرہ کر چکا ہوں اور اس کے بارے میں اپنی کتاب "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل" نامی کتاب میں قدرے تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔

دورِ فتن میں ایک بہت بڑا کردار جو ابھرے گا وہ دجال ہوگا، جس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ اس سے بڑا فتنہ پہلے کبھی ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا۔ اس دجال کو حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ زمین پر آ کر قتل کریں گے۔ اس دورِ فتن میں اہل ایمان میں سے بھی ایک نمایاں شخصیت ابھرے گی، جس کا نام مہدیٔ موعود ہے۔ علامہ اقبال کا ایک بڑا پیارا شعر ہے ؎

خونِ اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری!

"اسرائیل" حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے، جن سے ان کی نسل بنی اسرائیل چلی۔ ان کے تایا حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، جن کی نسل سے محمدؐ رسول اللہ ﷺ تھے۔ چنانچہ مہدیٔ موعود کے بارے میں یہ کہنا چاہئے کہ "خونِ اسماعیل آ جائے گا آخر جوش میں!" اس لئے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی آل سے ہوں گے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہوں گے۔ اس بحر سے نکلنے والے ایک نہایت قیمتی موتی ہوں گے۔

ختمِ نبوت سے پیدا ہونے والا خلا کیسے پُر کیا گیا؟

مہدیٔ موعود کے بارے میں جاننے کے لئے پہلے یہ بات جان لیجئے کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہونے سے رحمتِ خداوندی کا جو باب بند ہوا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تلافی کس طور سے کی گئی؟ اللہ تعالیٰ نے اس خلا کو تین چیزوں سے پُر کیا:

۱۔ حفاظتِ متنِ قرآن: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے متن کی حفاظت کا خود ذمہ لے لیا کہ اس میں تحریف نہیں کی جا سکتی۔ انتہائی پُرفتن دور میں جبکہ قرآن کی تعلیمات کو

فراموش کر دیا جائے گا' اس وقت بھی اس کا متن محفوظ رہے گا۔ میں آپ کو حدیث سنا چکا ہوں : "لَا یبقٰی من القرآن الا رَسمُہ" ۔ شیطانِ لعین اور اس کی ساری صلبی و [illegible] خواہ جتنا چاہے زور لگالے' قرآن مجید محفوظ رہے گا' تاکہ طالب ہدایت کے لئے منارۂ ہدایت ہمیشہ موجود رہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے پہلے تورات اور انجیل بھی اللہ کی نازل کردہ کتابیں تھیں' لیکن اللہ نے ان کی حفاظت کا کوئی ذمہ نہیں لیا۔ یہ معاملہ صرف قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہے کہ "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ" (الحجر : ۹) "یقیناً ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" اس آیۂ مبارکہ کا پہلا حصہ (اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ) کا اطلاق تو دیگر کتب سماویہ پر بھی ہو ہوتا ہے' لیکن دوسرا حصہ (وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ) صرف قرآن حکیم پر منطبق ہوتا ہے۔

۲۔ مجددینِ اُمت کا سلسلہ : ختم نبوت سے پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرنے کے ضمن میں دوسری چیز مجددینِ امت کا سلسلہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا)) (ابوداؤد)

"یقیناً اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سرے پر ایک ایسی شخصیت کو اٹھاتا رہے گا جو اس (امت) کے لئے اس کے دین کو تازہ کر دے گی۔"

مطلب یہ کہ دین پر جب سو برس کی مدت گزر جاتی ہے تو اس پر کچھ خارجی اثرات آجاتے ہیں۔ کچھ خارجی فلسفوں کا غبار اور کوئی بدعات کا طوفان اس کی اصل ہیئت کو تبدیل کر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ دشمنی میں اور بد نیتی سے بھی ہو سکتا ہے اور دوستی میں اور نیک نیتی سے بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً حضرت مسیحؑ کے پیروکاروں سے نیکی میں غلو ہو گیا تو رہبانیت ایجاد ہو گئی۔ چنانچہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو یہ وضاحت کرنا پڑی کہ "لَا رَھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ" (اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے) اور یہ کہ "اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ" (نکاح میری سنت میں سے ہے) اور "مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ" (جسے میرا

طریقہ پسند نہیں اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)۔ تجدید کا مطلب تازہ (renew) کر دینا ہے اور مجدد کا کام یہ ہوتا ہے کہ دین پر جو بھی خارجی اثرات اور گرد و غبار آ جائے اسے ہٹا کر دین کا اصل رخِ روشن، جیسا کہ وہ ہے، دنیا کے سامنے پیش کر دے۔ مجددینِ امت کے بارے میں مَیں مزید چند باتیں بعد میں عرض کروں گا۔

۳۔ حق پر قائم جماعت : اس امت کے لئے تیسری ضمانت یہ دی گئی ہے کہ اس میں ہمیشہ ایک گروہ ضرور حق پر قائم رہے گا۔ یعنی اگر ایک طرف ہدایتِ نظری قرآن مجید میں محفوظ رہے گی تو دوسری طرف ہدایتِ عملی کے نمونے بھی ضرور موجود رہیں گے، خواہ وہ قدرے قلیل ہوں، آٹے میں نمک کے برابر ہوں۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، جسے بخاریؒ و مسلمؒ دونوں نے روایت کیا ہے کہ

سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ : ((لَا یَزَالُ مِنْ اُمَّتِی اُمَّۃٌ قَائِمَۃٌ بِاَمْرِ اللّٰہِ--- وفی روایۃٍ : قَائِمِینَ بِالْحَقِّ-- لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَھُمْ، حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ وَھُمْ عَلٰی ذٰلِکَ)) (متفق علیہ)

(حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ) میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا : "میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت اللہ کے امر پر قائم رہے گی ایک دوسری روایت میں "حق پر قائم" کے الفاظ ہیں --- ان کو نہ تو وہ لوگ نقصان پہنچا سکیں گے (جو ان کے اعوان و انصار بننے کے بعد) ان کا ساتھ چھوڑ جائیں اور نہ ہی وہ لوگ جو ان کی مخالفت پر اتر آئیں۔ یہاں تک کہ اللہ کی بات پوری ہو جائے اور وہ اسی پر قائم رہیں گے"۔

یہ تیسری ضمانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ختمِ نبوت سے پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرنے کے لئے دی ہے کہ اہل حق کی ایک جماعت ہمیشہ موجود رہے گی۔ البتہ ہر زمانے میں اس کا نام اور عنوان بدلتا رہے گا۔

مجددینِ امت کے سلسلے اور اہل حق کی اس جماعت کے مابین ربط و تعلق کو اس طرح سمجھئے کہ ایک وقت میں ایک مجدد کھڑا ہوا اور اس نے تجدید کا کام کیا تو کچھ لوگ اس کے ساتھی بن گئے۔ جیسے حدیث نبویؐ کی رُو سے ہر نبی کے کچھ ساتھی اور کچھ حواری

ہوتے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی یہ حدیث وارد ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَا مِنْ نبيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِي أُمَّةٍ قَبلي إلّا كان لهُ مِن أُمَّتِهِ حَوارِيُّونَ وأَصحابٌ، يَأخُذونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقتَدُونَ بِأَمرِهِ......))

"کوئی نبی ایسے نہیں گزرے جنہیں اللہ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں مبعوث کیا ہو، مگر یہ کہ اس کے لئے اس کی امت میں سے کچھ (لوگ نکلتے تھے جو اس کے) حواری اور اصحاب ہوتے تھے۔ وہ اس کی سنت کو مضبوطی سے پکڑتے تھے اور اس کے حکم کے مطابق چلتے تھے....."

اسی طرح کا معاملہ مجددین کا ہے کہ جب بھی کوئی مجدد اٹھتے تھے تو ان کی تجدیدی مساعی اور جدوجہد میں کچھ لوگ ضرور ان کے ساتھ ہو جاتے تھے، جو ان کی بات سنتے تھے، ان کے پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے تھے، ان کے اعوان و انصار اور مددگار بنتے تھے، دامے درمے اور سخنے ان کے ساتھ بھرپور تعاون کرتے تھے، چنانچہ ان سے ایک جماعت وجود میں آ جاتی تھی، لیکن ایک مدت گزرنے کے بعد یہ جماعت اخلاقی و عملی انحطاط کا شکار ہو جاتی تھی۔ ایسا ہمیشہ ہوتا رہا ہے، بلکہ انبیاء کرام (علیہم السلام) کی بنائی ہوئی جماعتیں بھی ان کے بعد اضمحلال کا شکار ہو جاتی رہی ہیں۔ خود محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے جو جماعت بنائی وہ بھی تین چار نسلوں کے بعد زوال و انحطاط میں مبتلا ہو گئی تو تابہ دیگراں چہ رسد! چنانچہ یہی معاملہ مجددینِ امت کا ہوتا ہے۔ ایک صدی میں قریباً تین یا چار نسلیں گزرتی ہیں، اس کے بعد پھر نئے مجدد کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ایک شخص حق کو حق سمجھ کر Face Value پر اسے قبول کرتا ہے۔ اس کے لئے اسے کچھ چھوڑنا بھی پڑتا ہے، کچھ لوگوں کی ناراضی بھی مول لینا پڑتی ہے۔ لیکن اس کی آئندہ نسل یہ سمجھتی ہے کہ یہ چونکہ ہمارے باپ کا مسلک تھا اس لئے اب ہمیں بھی یہی اختیار کرنا ہے۔ ان کا اسے اختیار کرنا Face Value پر نہیں بلکہ عصبیت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ جب یہ گروہ کچھ منظم ہو جاتا ہے تو ان کی آپس کی دوستیاں، رشتہ داریاں، کاروبار، ادارے اور مشترکہ

مفادات انہیں باہم قریب رکھتے ہیں' جبکہ تیسری نسل محض ان مفادات کی خاطر اس جماعت سے وابستہ رہتی ہے اور پھر یوں سمجھ لیجئے کہ بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔ اب اس جماعت کی حیثیت محض ایک فرقے کی رہ جاتی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ پھر کسی کو اٹھاتا ہے تو ان میں سے جن کے اندر بھی کچھ جان ہوتی ہے وہ اس کے پاس آ جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ نئے لوگ آتے ہیں اور ایک نئے عنوان سے کام پھر شروع ہو جاتا ہے۔

یہ سلسلہ اسی انداز سے چلتا رہتا ہے جیسے اولمپک ٹارچ لے کر ایک کھلاڑی دوڑتا ہے اور کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد دوسرے کھلاڑی کو دے دیتا ہے۔ دوسرا کھلاڑی یہ ٹارچ تیسرے کھلاڑی کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس طرح کھلاڑی اگرچہ بدلتے رہتے ہیں لیکن وہی ٹارچ آگے بڑھتی رہتی ہے۔ اسی طرح کا معاملہ شیر شاہ سوری کے بنائے ہوئے ڈاک کے نظام کا تھا۔ آپ اندازہ کیجئے کہ آج سے پانچ سو برس پہلے اس نے ڈھاکہ سے پشاور تک جرنیلی سڑک (جی ٹی روڈ) تعمیر کروائی اور ڈاک کا نظام قائم کیا۔ ہر تیس میل کے فاصلے پر ایک چوکی ہوتی تھی جہاں تازہ دم گھوڑے اور سوار موجود ہوتے۔ ایک گھڑ سوار ڈاک کا تھیلا لے کر ایک چوکی سے دوسری چوکی تک سرپٹ دوڑتا اور اگلی چوکی سے دوسرا سوار اسی تھیلے کو لے کر برق رفتاری سے روانہ ہو جاتا۔ اس طرح ہر چوکی پر گھوڑا اور سوار تبدیل ہو جاتے لیکن ڈاک کا تھیلا وہی رہتا جو ڈھاکہ سے چلا تھا۔ اسی انداز سے جماعتیں اگرچہ بدلتی رہتی ہیں لیکن دین کا اصل پیغام اور اس کی اصل روح اگلی نسلوں کو منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا' ہر تین چار نسلوں کے بعد اس عمل میں تجدید کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی صرف تین نسلوں کی ضمانت دی ہے' جنہیں ہم "قرونٌ مشهودٌ لها بالخير" کہتے ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کی مشہور حدیث ہے : ((خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ' ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ' ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ الخ)) یعنی میری امت کا بہترین دور میرا دور ہے' پھر وہ لوگ جو ان سے قریب کے دور میں ہوں گے' اور پھر وہ جو اُن سے قریب ہوں گے۔ (یہ حدیث متفق علیہ ہے اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے)

مجددین کے بارے میں بعض اہم باتیں

مجددین کے بارے میں بعض باتیں ایسی ہیں جن پر امت کا اتفاق ہے۔ مثلاً :

(i) حدیث مبارک میں جو یہ فرمایا گیا کہ "عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ" تو ان الفاظ سے صدی کا شروع یا صدی کا آخر مراد نہیں ہے ' بلکہ یہ محاورہ ہے اور اس سے مراد "ہر صدی کے دوران" ہے۔

(ii) یہ ضروری نہیں کہ ایک وقت میں کوئی ایک شخصیت ہی تجدیدی مساعی میں مصروف ہو ' بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ جدوجہد بیک وقت کئی لوگ کر رہے ہوں۔

(iii) کسی مجدد کو مجدد تسلیم کرنا یا نہ کرنا ایمان اور کفر کا معاملہ نہیں ہے۔ ایمان اور کفر کا معاملہ کسی نبی کی نبوت کو ماننے یا نہ ماننے سے متعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ غلام احمد قادیانی نے اگر صرف مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہوتا اور وہ نبوت کا دعویٰ نہ کرتا تو اس کی اور اس کی امت کی تکفیر نہ ہوتی۔ لاہوری مرزائی اگرچہ یہ کہتے ہیں کہ ہم مرزا کو نبی نہیں بلکہ صرف مجدد مانتے ہیں ' لیکن جب یہ بات ثابت ہے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو وہ کافر ہو گیا اور کافر کو مجدد ماننے والا بھی کافر ہے۔ نبوت تو حدِ فاصل ہے۔ سچے نبی کا انکار کرنے والا کافر ہے اور جھوٹے نبی پر ایمان لانے والا کافر ہے۔ اس معاملے میں "Give the devil his due" کے مصداق قادیانیوں کی ہمت اور جرأت کی داد دینی چاہئے کہ وہ اپنے تئیں ہمیشہ ہمیں کافر قرار دیتے رہے ہیں ' کیونکہ ہم ان کے نبی کو نہیں مانتے۔ سر ظفر اللہ پاکستان کا وزیر خارجہ تھا اور اس نے قائداعظم کا جنازہ نہیں پڑھا ' بلکہ ایک طرف بیٹھا رہا۔ جب اس سے وجہ دریافت کی گئی تو اس نے کہا تھا کہ "یا تو مجھے ایک مسلمان حکومت کا کافر وزیر سمجھ لو یا کافر حکومت کا مسلمان وزیر!" مجدد کو ماننے کا معاملہ نبوت سے مختلف ہوتا ہے۔ کسی کو مجدد ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

(iv) اکثر مجددین مجدد ہونے کا دعویٰ کئے بغیر اپنی تجدیدی مساعی میں مصروف رہے اور بعد میں لوگوں نے سمجھا کہ یہ مجددِ وقت تھے جنہوں نے بہت بڑا کام کیا اور دین کو

واقعتاً تازہ کر دیا۔ البتہ بعض مجددین ایسے بھی تھے جنہیں خود بھی اس کا ادراک و شعور تھا کہ وہ مجدد ہیں اور انہوں نے اپنی زندگی میں اس طرح کی باتیں بھی کیں جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ وقت کے مجدد ہیں۔ مثلاً شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ہاں ایسی باتیں ملتی ہیں۔ لیکن ان کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ جو ان کو مجدد نہیں مانے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ!

(۷) مجددینِ امت کے بارے میں ایک اہم بات میں نے بارہا عرض کی ہے کہ امتِ مسلمہ کی تاریخ میں پہلے ایک ہزار برس تک سارے کے سارے مجددین عالمِ عرب میں پیدا ہوئے۔ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔ ان کے بعد امام ابو حنیفہؒ' امام مالکؒ' امام شافعیؒ' امام احمد بن حنبلؒ' شیخ عبدالقادر جیلانیؒ' امام غزالیؒ اور امام ابن تیمیہؒ اپنے اپنے وقت کے مجددین تھے۔ لیکن جیسے ہی دوسرا ہزار سال شروع ہوا تو اس امتِ مسلمہ کا روحانی اور علمی مرکزِ ثقل برعظیم پاک و ہند میں منتقل کر دیا گیا۔ چنانچہ گیارہویں صدی ہجری میں ہندوستان میں دو مجدد ہوئے ہیں۔ ایک تو مجدد اعظم ہیں' یعنی مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور دوسرے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ بارہویں صدی کے مجددِ اعظم شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ہوئے ہیں' لیکن ان کے ساتھ ہی عالم عرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ بھی تھے' اگرچہ ان دونوں کا تقابل کیا جائے تو شاہ ولی اللہؒ کے مقابلے میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ بالکل بونے نظر آتے ہیں۔ لیکن بہرحال وہ بھی مجدد تھے' انہوں نے مشرکانہ عقائد' غلط روایات' غلط رسومات اور بدعات کے انبار کو صاف کیا۔ تیرہویں صدی ہجری کے مجددین وہ تھے جنہوں نے مغربی استعمار کے خلاف تلوار اٹھائی۔ ان میں سوڈان کے مہدی سوڈانی اور لیبیا کے سنوسی بھی تھے' لیکن عظیم ترین مجدد اس خطۂ ہند سے سید احمد شہید بریلویؒ تھے' ان کے ساتھ شاہ اسماعیل شہیدؒ بھی تھے۔ یہ پہلے پنجاب کو سکھوں سے پاک کرنے کے بعد پھر انگریز سے نبرد آزمائی چاہتے تھے' لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا۔ ان کی تحریک "تحریکِ شہیدین" اگرچہ دنیوی اعتبار سے ناکامی سے دوچار ہوئی لیکن اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا' وہ تو مرتبۂ شہادت سے سرفراز ہو کر کامیاب ہو گئے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ بہت سے نبی ایسے گزرے

ہیں جو دنیوی اعتبار سے بظاہر ناکام چلے گئے 'مجدد تو پھر مجدد ہیں۔

میرے نزدیک چودھویں صدی کے مجددِ اعظم شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ تھے "البتہ ان کے ساتھ ساتھ بعض دیگر حضرات کی تجدیدی مساعی بھی بہت اہم ہیں۔ ان میں ایک شخصیت علامہ اقبال کی ہے جو اگرچہ داڑھی مُنڈے تھے اور ان کا عمل کا پلڑا (ان کے فکر کے مقابلے میں) بہت ہلکا تھا، لیکن ع "اگرچہ سر نہ تراشد قلندری داند!" کے مصداق انہوں نے فکرِ اسلامی کی تجدید کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ اسی طرح ابو الکلام آزاد نے ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء کے دوران لوگوں کو قرآن کی طرف راغب کرنے کے لئے جتنی زوردار دعوت دی اس کی پوری اسلامی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس اعتبار سے انہیں دعوتِ قرآنی کا مجدد قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں وہ علماء کے طرزِ عمل سے مایوس اور بددل ہو کر کانگریس میں شامل ہو گئے کہ یہ مولوی نہ خود کچھ کریں گے نہ کسی دوسرے کو کچھ کرنے دیں گے۔ انہی میں ایک شخصیت سید ابو الاعلیٰ مودودی کی ہے جو میرے نزدیک تحریک اسلامی کے مجدد ہیں۔ انہوں نے جماعت اسلامی کے نام سے ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت قائم کی جس میں ایسے پاکباز لوگ شامل ہوتے جو پہلے اپنی معاش اور معاشرت کو حرام سے پاک کر کے آتے۔ یہ نہیں تھا کہ اپنے وجود پر تو اسلام کا نفاذ نہ ہو، اپنے گھر میں اسلامی معاشرت کا نقشہ نظر نہ آئے، معاش میں حرام کی آمیزش بھی ہو، لیکن اسلام کا نعرہ بھی لگا رہے ہوں۔ مولانا مودودی کی قائم کردہ جماعت آج کی جماعت اسلامی سے بہت مختلف تھی۔ آج شبابِ ملی اور پاسبان کے نام سے جو کچھ ہو رہا ہے اس کا تو اس وقت تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اسی طرح تبلیغ دین کے ضمن میں مولانا الیاس کی تجدیدی مساعی اس قدر اہم ہیں کہ میں انہیں مجددِ تبلیغ قرار دیتا ہوں۔ ورنہ تبلیغ تو ایک پیشہ بن چکی تھی۔ پیشہ ور مبلغ اجرت لے کر فرقہ وارانہ تقریریں کرتے اور مختلف فرقوں کے مبلغ دوسرے فرقوں پر کفر کے فتوے لگاتے۔ اس طرح کی "تبلیغ" کا نقشہ ہمیں آج بھی کہیں کہیں کسی "عظیم الشان تبلیغی کانفرنس" میں نظر آ جاتا ہے جہاں رفع یدین کے حق میں یا اس کے خلاف دلائل دیئے جا رہے ہوتے ہیں یا تعدادِ تراویح کا مسئلہ زیرِ بحث ہوتا ہے۔ اُس دور میں "تبلیغ" کا یہ

انداز بہت عام تھا اور مولوی مرغوں کی طرح لڑتے تھے اور پیسے لیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ گڈا چلتے چلتے دلدل میں کسی کھانچ کے اندر جا کر پھنس جائے تو اسے نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن مولانا الیاس جیسے نحیف الجثہ انسان نے تبلیغ کے اس گڈے کو دلدل سے نکالا اور ایسے مبلغینِ دین کی جماعت تیار کی جو بغیر کسی تنخواہ کے 'اپنا راشن اور اپنا کرایہ خرچ کر کے تبلیغ کے لئے نکلتے۔ آج اس انداز پر تبلیغ کے عنوان سے دنیا میں لاکھوں آدمی گردش میں ہیں۔ مولانا الیاس نے اس عظیم کام کا آغاز تن تنہا کیا تھا۔ ہندوستان میں جبکہ شدی کی تحریک چلی تو جو علاقے اس سے شدید متأثر ہوئے ان میں میوات کا علاقہ بھی تھا۔ دراصل بہت سے ایسے لوگ جن کے آباء و اجداد کسی صوفی بزرگ کی کرامات دیکھ کر ایمان لے آئے تھے لیکن ان کی تعلیم و تربیت اسلام کے مطابق نہ ہو سکی' ان کا حال یہ تھا کہ وہ اسلامی تعلیمات سے بالکل بیگانہ تھے' بلکہ ان میں سے بہت سوں کو تو کلمہ بھی نہیں آتا تھا' ان کے نام بھی کچھ مسلمانوں کے سے تھے اور کچھ ہندوؤں کے سے۔ ہندوؤں کے لئے ایسے مسلمانوں کا شکار کرنا اور انہیں شدی کر لینا بہت آسان تھا۔ جب ایسے لوگ دھڑا دھڑ شدی ہونے لگے تو ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا اور مسلمانوں میں شدید تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ ان علاقوں میں تنخواہ دار مبلغ بھجوائے گئے' لیکن وہ بھلا کہاں دیہات کی خاک چھانتے۔ ملازم آدمی کی ایک اپنی ذہنیت ہوتی ہے' اسے تو بس اپنے ٹی اے' ڈی اے سے غرض ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ ایک گاؤں میں تقریر کر کے رپورٹ میں دس دیہات کا دورہ لکھ دیتے۔ چنانچہ اس تبلیغ کا کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا تھا۔

ان حالات میں مولانا الیاسؒ کو ایک عجیب احساس ہوا' اور یہ اس طرح کا احساس تھا جو سیب کو اوپر سے نیچے کی طرف گرتے دیکھ کر نیوٹن کو ہوا تھا اور اس نے زمین کی کشش ثقل کا راز معلوم کر لیا تھا' یا چولہے پر رکھی دیگچی کا ڈھکنا ہلتے دیکھ کر جارج سٹیفن کے ذہن میں پیدا ہوا تھا اور اس نے بھاپ کی طاقت کا اندازہ کر کے سٹیم انجن ایجاد کر لیا تھا۔ ہوا یوں کہ مولانا الیاس ایک روز مسلمانوں کی حالت زار پر متفکر بیٹھے تھے کہ انہیں چند میواتی اپنے گاؤں سے مزدوری کے لئے آتے دکھائی دیے۔ مولانا نے ان سے پوچھا کہ بھائی تمہیں کتنی مزدوری ملے گی؟ انہوں نے بتایا کہ دو آنے روزانہ۔ اس پر مولانا

نے ان سے کہا کہ اچھا بھائی' دو دو آنے تم مجھ سے لے لینا اور آج کا دن تم میرے پاس رہو۔ مولانا نے ان میواتیوں کو وضو کرنا سکھایا' نماز سکھائی' ان کا کلمہ درست کیا اور شام کو انہیں دو دو آنے دے دیئے۔ پھر یہ مولانا کا روز کا معمول بن گیا۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ نکل آئے جنہوں نے اپنا وقت فارغ کیا اور اب وہ کلمے کی تحریک بن گئی۔ یہ لوگ بستی بستی جاتے' جنہیں کلمہ نہیں آتا تھا انہیں کلمہ سکھاتے' لوگوں کو نماز سکھاتے اور نماز پڑھنے کی تلقین کرتے' غیر آباد مسجدوں کو صاف کر کے انہیں آباد کرنے کی کوشش کرتے۔

یہ وہ عظیم شخصیتیں ہیں جو چودھویں صدی میں ہندوستان کی سرزمین پر پیدا ہوئیں' جبکہ پوری دنیا میں ان کا کوئی پاسنگ بھی نظر نہیں آتا۔ ایک استثناء حسن البناء شہید کا ضرور ہے جو تحریک اسلامی کے مجدد کی حیثیت سے عالمِ عرب میں ابھرے' لیکن میرے نزدیک مولانا مودودی کی شخصیت اور حسن البناء کی شخصیت کے مابین وہی نسبت ہے جو شاہ ولی اللہ اور محمد بن عبدالوہاب کی شخصیتوں کے مابین ہے۔ حسن البناء اگرچہ جوش اور جذبے میں تو مولانا مودودی سے بہت آگے ہیں' لیکن وہ نہ مصنف ہیں' نہ صاحب تفسیر ہیں' اور نہ ہی مفکر ہیں۔

اس کے بعد اب پندرھویں صدی کے مجددین کا معاملہ سمجھ لیجئے۔ میرے گمان میں اس صدی کا مجددِ اعظم وہی شخص ہو گا جس کے بارے میں احادیث نبویہ ؐ میں "مہدی" کا لفظ آیا ہے۔ آج زمانہ چلتے چلتے جس مقام پر پہنچ چکا ہے اور دنیا کے حالات جو رخ اختیار کر رہے ہیں ان کے پیش نظر مجھے امید ہے کہ عنقریب جزیرہ نمائے عرب میں ان کے منظرِ عام پر آنے کا معاملہ ہو جائے گا۔ اس ضمن میں مَیں چند احادیث پیش کروں گا' لیکن پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ اہل تشیع اور اہل سنت کے نزدیک مہدی کے تصور میں بہت فرق ہے۔

اہلِ تشیّع اور اہلِ سنّت کا تصورِ مہدی

اہل تشیع کا تصور یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد "امامتِ معصومہ" کا سلسلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شروع ہوا ہے اور ان کے بعد تمام "ائمۂ معصومین" حضرت فاطمہ

ﷺ کی نسل سے ہیں۔ یعنی پہلے امام معصوم حضرت علیؓ 'پھر حضرت حسنؓ 'پھر حضرت حسینؓ 'پھر علی ابن حسین زین العابدینؒ 'پھر محمد باقرؒ اور پھر جعفر صادقؒ ہیں۔ امامتِ معصومہ کا تصور رکھنے والے تمام امامیہ کے نزدیک یہ چھ ائمہ متفق علیہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت جعفر صادقؒ کے چھوٹے بیٹے موسیٰ کاظمؒ کی نسل سے ہونے والے پانچ ائمہ کو ماننے والے موسوی کہلاتے ہیں 'جو ہمارے ہاں کے اہل تشیع ہیں 'جبکہ جعفر صادقؒ کے بڑے بیٹے اسماعیلؒ کو امام معصوم قرار دے کر ان سے چلنے والی شاخ کو ماننے والے اسماعیلی کہلاتے ہیں۔ موسوی شاخ کے پانچ ائمہ کے بعد چھٹا 'جبکہ آغاز سے شمار کریں تو بارہواں امام 'اہلِ تشیع کے عقیدے کے مطابق امام غائب ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اندیشہ تھا کہ خلفائے بنو عباس بارہویں امام کو شہید کر دیں گے لہٰذا انہیں کسی غار میں چھپا دیا گیا۔ تقریباً دو سو برس تک تو وہ "غیوبتِ صغریٰ" کی حالت میں رہے 'یعنی اگرچہ وہ منظرعام پر نہیں رہے 'لیکن ان کی امامت بالفعل قائم تھی 'ان کے معتقدین ان کے پاس جا کر ان سے ہدایات لے لیتے تھے 'لیکن اس کے بعد ان کا "غیوبتِ کبریٰ" کا دور شروع ہوا جس میں ان کے ساتھ کسی کا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک یہی امام غائب امام مہدی ہیں جو قیامت سے قبل ظاہر ہوں گے۔

دوسری طرف اسماعیلیوں میں آگے چل کر پھر دو شاخیں ہو جاتی ہیں 'جن میں سے ایک شاخ امام حاضر کا عقیدہ رکھتی ہے۔ پرنس کریم آغا خان ان کا امام حاضر ہے جو انکے نزدیک (معاذ اللہ) نبی کی طرح معصوم ہے اور اس سے خطا کا صدور نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اسماعیلیوں ہی کی دوسری شاخ میں ایک امام غائب ہو گئے تھے 'لہٰذا ان کے پیشوا کو امام نہیں بلکہ داعی کہا جاتا ہے۔ اسماعیلیوں کا یہ فرقہ بوہری کہلاتا ہے اور آج کل ان کے داعی برہان الدین ہیں۔

اہلِ تشیع کے برعکس اہل سُنّت کا عقیدہ یہ ہے کہ معصومیت خاصۂ نبوت ہے اور ختمِ نبوت کے بعد معصومیت ختم ہو گئی۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی معصوم نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) بھی معصوم نہیں تھے۔ ہمارے نزدیک مجددین

کا جو سلسلہ چودہ سو سالوں سے چلا آرہا ہے' حضرت مہدی کو بھی اسی کی ایک کڑی قرار دینا درست ہو گا۔ البتہ احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت فاطمہ ؓ کی نسل سے ہوں گے' بلکہ حضرت فاطمہ ؓ کی نسل کی حسنی شاخ سے ان کا تعلق ہو گا۔ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا نام میرے نام پر ہو گا یعنی محمد۔ اور ان کے باپ کا نام بھی میرے باپ کے نام پر ہو گا یعنی عبداللہ۔ اور وہ شخص عرب میں ایک صحیح اسلامی حکومت قائم کرے گا۔ آنحضور ؐ نے پورے عالم اسلام کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف عرب کے بارے میں یہ بات فرمائی۔ اس شخص کو ہم مہدی کے نام سے جانتے ہیں۔

مہدی کے معنی کیا ہیں؟ ہدایت یافتہ شخص۔ ہادی کا مطلب ہے ہدایت دینے والا (یہ اسم فاعل ہے) اور مہدی وہ ہے جس کی ہدایت ہو گئی ہو' جو ہدایت یافتہ ہو۔ مہدی ان کا صفاتی نام ہے' اصل نام محمد ہو گا۔ ان کے والد کا نام عبداللہ ہو گا اور وہ حضرت حسن ؓ کی نسل سے ہوں گے' حضرت فاطمہ ؓ کی اولاد میں سے ہوں گے۔

حضرت مہدیؒ کی آمد؟

یہ تو وہ چیزیں ہیں جو اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔ رہا یہ سوال کہ وہ کب آئیں گے؟ اور آیا ان کی پیدائش ہو چکی ہے؟ اس بارے میں قیاس آرائی تو ہو سکتی ہے' یقین کی بنیاد پر کوئی بات نہیں کی جا سکتی۔ تاہم میرا قیاس ہے بلکہ گمان غالب ہے کہ ان کی پیدائش ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ میں حالات کو دیکھ رہا ہوں۔ گزشتہ چار سو سال کی تاریخ میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ کتاب الفتن' کتاب الملاحم اور کتاب علاماتِ قیامت (اشراط الساعۃ) میں شامل احادیث میرے سامنے ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے بارے میں کہا تھا کہ "سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف"۔ میں نے اپنے لئے علامہ کے اس شعر میں کچھ ترمیم کی ہے۔ علامہ خاکِ نجف سے حضرت علی ؓ مراد لیتے ہیں جبکہ میرے نزدیک حضرت علی ؓ بھی اصلاً خاکِ مدینہ ہی میں شامل ہیں۔ میں اسے خاکِ حجاز سے تعبیر کرتا ہوں۔ میں اسے یوں پڑھوں گا: "سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ حجاز و حولِ قدس"۔ حولِ

قدس کیا ہے؟ بیت المقدس کا ماحول' جس کے بارے میں فرمایا گیا : ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ۚ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝﴾ یہ علاقہ اڑھائی ہزار برس تک نبیوں کا مسکن رہا' سینکڑوں نبی یہاں پیدا ہوئے' سینکڑوں نبیوں نے یہاں وحدت کا گیت گایا اور توحید کا نعرہ بلند کیا۔ مجھے اقبال کا ایک مصرع یاد آگیا : "چشتی نے جس زمیں میں وحدت کا گیت گایا"۔ بہرکیف یہی وہ سرزمین ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی حمد کے ترانے الاپے تھے۔ پہاڑ اور پرندے ان ترانوں کو سن کر وجد میں آجاتے تھے۔ اسی زمین میں حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ دفن ہیں۔ اسی زمین میں بنی اسرائیل کے سینکڑوں انبیاء دفن ہوئے۔ یہی وہ سرزمین ہے جو حضرت عیسٰیؑ کے مواعظ کی امین ہے۔ اسی سرزمین کے بارے میں قرآن نے کہا : "اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ" سرزمین حجاز ہو یا ارض فلسطین دونوں کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے۔

حضرت ابراہیمؑ سے ایک شاخ ان کے بڑے بیٹے اسماعیلؑ کے ذریعے چلی۔ وہ حجاز میں آباد ہوئے۔ اسی سرزمین میں آنحضور ﷺ کی پیدائش ہوئی اور حضرت علیؓ کا تعلق بھی اسی علاقے اور حضرات ابراہیمؑ کی اسی شاخ سے ہے۔ اسی اعتبار سے میں اس ترمیم شدہ شعر میں حضرت علیؓ کو حضورؐ سے علیحدہ نہیں سمجھتا کہ "حجاز" کا لفظ دونوں کو شامل ہے۔ اسی سرزمین میں آنحضور ﷺ پر قرآن حکیم کا نزول ہوا۔ "حولِ قدس" سے مراد فلسطین کا وہ علاقہ ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق آباد ہوئے اور جو سینکڑوں انبیاء کا مسکن اور سابقہ امت کا مرکز بنا۔ متعدد آسمانی کتابیں اس علاقے میں اتریں۔ میں نے اسی حوالے سے اس مصرعے میں "حجاز" کے ساتھ "حولِ قدس" کو شامل کیا ہے کہ "سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ حجاز و حولِ قدس!"

بہرکیف قرآن و حدیث ہی نہیں سابقہ آسمانی کتابوں کے مطالعے کی بنیاد پر اور تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کو دیکھتے ہوئے میں یہ بات تقریباً یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ دن زیادہ دور نہیں جب حضرت مہدی کے زیر قیادت عرب مسلمان یہودیوں کے خلاف صف آراء ہوں گے۔ دیکھئے' اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہمارا یقین ہے' لیکن اسے دیکھا تو کسی نے

نہیں ... ہاں قرائن سے اسے پہچانا ہے' آیات سے پہچانا ہے ﴿اِنَّ فِی خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِی تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا الخ﴾ آیاتِ آفاقی ہیں جو ہمارے گردوپیش پھیلی ہوئی ہیں' ان کے ذریعے اللہ کو پہچانا ہے۔ تو موجودہ حالات پر اگر نگاہ ہو اور جو علامات احادیث کے اندر بیان ہوئی ہیں' ان پر اگر نظر دوڑائیں تو محسوس ہوتا ہے کہ قیامت سے قبل حق و باطل کا جو آخری معرکہ (Final Show down) ہونے والا ہے' جو درحقیقت یہود اور مسلمانوں کے درمیان ہو گا' وہ اب بہت قریب آ چکا ہے۔ آج ہی کے نوائے وقت میں ایک مضمون شائع ہوا ہے کہ اسرائیلی وزیر اعظم نتن یاہو نے امریکہ کی جانب سے کی جانے والی قیام امن کی کوششوں کو خاک میں ملا دیا ہے۔ امریکہ کے انتہائی سخت دباؤ کے باوجود وہ قیامِ امن کے لئے ایک قدم بھی آگے بڑھانے کو تیار نہیں۔ یاسر عرفات سے رسمی ملاقات اس نے ضرور کر لی ہے لیکن مزید ایک انچ آگے بڑھنے کو وہ تیار نہیں۔ کھلم کھلا کہہ رہا ہے کہ اس رخ پر کوئی پیش رفت نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے' اور میں جانتا ہوں کہ وہ مجبور ہے' کہ مذہبی یہودیوں کا اب وہاں اتنا غلبہ ہو چکا ہے کہ سیکولر قسم کے یہودی ان کے سامنے بے بس ہو گئے ہیں۔ مذہبی عناصر کا شدید دباؤ ہے کہ یہودیوں کی ریاست کے قیام کے بعد اب فی الفور تھرڈ ٹمپل تعمیر ہونا چاہئے۔ یعنی ہیکل سلیمانی کو اس کی بنیادوں پر تیسری بار تعمیر کیا جائے' جس کے لئے لازم ہے کہ مسجد اقصیٰ گرائی جائے۔ اس کے نیچے جو سرنگ ہے وہ اب اسرائیلی ریاست نے کھول دی ہے' ہفتے میں پانچ دن کھلی رہے گی اور دو دن یعنی سبت اور سنڈے کو بند رہے گی۔ گویا مسجد کو گرانے کا سامان کر لیا گیا ہے۔ اب کسی دن مذہبی یہودیوں میں سے کوئی جنونی جائے گا جیسا کہ اس سے قبل ایک موقع پر مسجد خلیل میں جا کر ایک یہودی نے کتنے ہی مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا اور پھر خودکشی کر لی تھی' اسی طرح کا کوئی جنونی جائے گا' اور اس سرنگ میں کوئی بڑا دھماکہ کر دے گا' خود بھی ختم ہو جائے گا اور مسجد اقصیٰ بھی منہدم ہو جائے گی۔ اسرائیلی حکومت یہ موقف اختیار کرے گی کہ اب بھئی ہم کیا کر سکتے ہیں' یہ جنونی آدمی تھا' اس طرح کے پاگل

ہر جگہ ہوتے ہیں، عیسائیوں میں بھی، مسلمانوں میں بھی اور یہودیوں میں بھی، ہمارے ہاں کا بھی ایک پاگل تھا جس نے یہ حرکت کی۔ اب جبکہ یہ مسجد منہدم ہو گئی ہے تو ہمیں اپنا ٹمپل تعمیر کرنے دو۔ اس کا ریہرسل اس سے قبل ہندوستان میں ہو چکا ہے کہ بابری مسجد جب کچھ مذہبی جنونیوں نے گرا ہی دی تو بابا اب رام مندر ہی بنانے دو۔ یہی معاملہ اب یروشلم میں ہونے والا ہے۔ اس کے بعد جو طوفان اٹھے گا اور عالم عرب کے مخلص مسلمان جس طرح ایک دم اٹھ کھڑے ہوں گے، چشم تصور سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے یہاں خلافت کانفرنس میں نیویارک سے جو مہمان مقرر تشریف لائے تھے، عمران این حسین، جنہوں نے بحمد اللہ تنظیم اسلامی میں بھی شمولیت اختیار کر لی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں استقامت عطا فرمائے، انہوں نے گزشتہ رات قرآن آڈیٹوریم میں اپنی تقریر کے دوران بعض بہت پتے کی باتیں کی ہیں۔

انہوں نے فتنہ دجال پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ قربِ قیامت کے واقعات کے ضمن میں بعض احادیث میں حج کے موقوف ہونے کا ذکر بھی ملتا ہے کہ حج بند ہو جائے گا، اور اس کے آثار موجود ہیں، اس لئے کہ سعودی عرب کے اندر حالات اب خاصے مخدوش ہیں۔ ماضی قریب میں دو بم دھماکے امریکیوں کے خلاف ہو چکے ہیں اور دوسرے دھماکہ میں تو بیس افراد مارے گئے۔ اس کے بارے میں امریکہ کی سی۔ آئی۔ اے کی رپورٹ یہ ہے کہ یہ کسی باہر کے آدمی کا کام نہیں ہے بلکہ سعودی فوج کے اندر کے بعض عناصر نے یہ کام کیا ہے۔ آخر سعودی فوجی بھی مسلمان ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی وہاں موجودگی انہیں یقیناً کھلتی ہو گی۔ اگر ان میں سے اکثر بے غیرت ہو گئے ہوں تب بھی ان میں کچھ افراد تو غیرت مند بھی ہوں گے۔ لہٰذا اندیشہ ہے کہ کوئی بہت بڑا طوفان وہاں آنے والا ہے۔ اور فرض کیجئے، جیسا کہ گمان غالب ہے، شدید اندیشہ ہے کہ اگلے سال ۹۷ء میں مسجد اقصیٰ شہید کر دی جائے گی۔ اس کے لئے فضا ہموار کی جا رہی ہے۔ امریکہ میں ایک فلم دکھائی جا رہی ہے جس میں وہ سرنگ (tunnel) دکھائی گئی ہے جو مسجد اقصیٰ کے نیچے کھولی گئی ہے کہ یہاں پہلے ان کا ٹمپل ہوتا تھا جس کے انہدام کے بعد اس جگہ مسلمانوں نے مسجد تعمیر کر لی۔ اس طرح رائے عامہ کو ہموار کیا جا رہا ہے۔ اور یہ بات تو

ہم بھی مانتے ہیں کہ اسی جگہ پر تھا' اسے سب سے پہلے گرایا تھا بخت نصر نے' پھر اسے حضرت عزیر نے تعمیر کیا' پھر دوبارہ گرایا ٹائٹس رومی نے ۷۰ء میں' اس کے بعد سے آج تک وہ گرا پڑا ہے۔ مسلمانوں نے اگرچہ اسے نہیں گرایا لیکن یہ کہ اس جگہ پر مسجد ضرور تعمیر کی ہے۔ بہرحال اس حوالے سے اب جو کچھ ہو رہا ہے اس کے نتیجے میں عالم عرب کے اندر ایک زبردست خلفشار پیدا ہو گا۔ یہ حدیث میرے سامنے پہلے بھی تھی' کئی دفعہ میں نے اپنی تقاریر میں اس کا حوالہ بھی دیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دفعہ خواب کی کیفیت میں کچھ دیکھا اور پھر آپ چونک کر اٹھے اور آپ نے فرمایا: وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ "ہلاکت اور بربادی ہے عربوں کے لئے اس شر سے کہ جو قریب آچکا ہے"۔ تو ابھی تک کوئی خاص ایسا شر عربوں کے لئے مجموعی طور پر نہیں آیا جس پر اس حدیث کا اطلاق کیا جا سکے۔ میرے نزدیک اس حدیث میں اسی "الملحمۃ العظمٰی" کی طرف اشارہ ہے جس میں سب سے بڑی تباہی عربوں پر آئے گی۔ (واللہ اعلم)۔ بعض اور احادیث سے بھی اسی جانب رہنمائی ملتی ہے۔

میری اس قیاس آرائی کی کہ حضرت مہدیؑ موعود کی آمد اب زیادہ دیر کی بات نہیں' تائید سعودی عرب میں سعودی شاہی خاندان کی موجودہ صورتحال سے بھی ہوتی ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آل سعود کی حکومت میں جو تسلسل اور استحکام ہے اس کا راز اس میں مضمر ہے کہ ان کے ہاں جانشینی کا معاملہ ابھی تک طے شدہ اصولوں کے مطابق چل رہا ہے۔ ملک عبدالعزیز بن سعود کے بیٹوں میں سے ولی عہدی کی ترتیب پہلے سے طے شدہ ہے' ایک بھائی کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا عنانِ حکومت سنبھالتا چلا آ رہا ہے۔ بھائیوں کی قطار ماشاء اللہ خاصی لمبی ہے لہٰذا اگلی نسل میں ابھی یہ معاملہ منتقل ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ جیسے ہی کوئی نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کے ولی عہد کا اعلان بھی اسی وقت کر دیا جاتا ہے تاکہ اگر شاہ کی اچانک موت واقع ہو جائے تو ولی عہد فوراً چارج سنبھال لے اور کوئی بحرانی صورتحال پیدا نہ ہونے پائے۔

یہ ان کی خاندانی روایت ہے اور ان کے ہاں اب تک یہی معاملہ ہوتا رہا ہے لیکن یہ

ایک کھلی حقیقت ہے کہ شاہ فہد کا جو ولی عہد ہے وہ امریکہ کو پسند نہیں ہے۔ پرنس عبداللہ کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ کچھ مذہبی مزاج کا آدمی ہے اور اسے فنڈامنٹلسٹ سمجھا جاتا ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ فہد کے بعد اس کی بجائے کسی اور کو تاج و تخت سونپا جائے جو امریکی مفادات اور عزائم کے راستے کی رکاوٹ ثابت نہ ہو۔ اگر طاقت کے نشے میں امریکہ نے یہ حماقت کی اور اپنے دباؤ کے ذریعے سعودی روایات کے برعکس موجودہ ولی عہد کے بجائے کسی اور کو فہد کی جگہ تخت پر بٹھایا تو شدید اندیشہ ہے کہ وہاں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ اور اس خانہ جنگی کے دوران ایک شخصیت ابھرے گی اور وہ مہدی ہوں گے۔

مہدیٔ موعود، احادیث کے آئینے میں

اب ہم حضرت مہدی کے بارے میں چند احادیث نبویہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

عن عبداللّٰہ بن مسعود ﷛ قال قال رسولُ اللّٰہ ﷺ :

((لَا تَذْهَبُ الدُّنیا حتّٰی یَمْلِکَ العربَ رجلٌ مِن اھلِ بَیتِی یُواطِئُ اسْمُہٗ اسْمِی)) (رواہ الترمذی وابوداوٗد)

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "دنیا اس وقت تک ختم نہ ہو گی جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا بادشاہ نہ بن جائے۔ اس کا نام میرے نام کے موافق ہو گا۔"

اب دیکھئے حضور ﷺ کے بعد آج تک تو آپ ؐ کے اہل بیت میں سے کسی کی بادشاہت عرب پر قائم نہیں ہوئی۔ خلفائے راشدہ میں سے حضرت علیؓ آپ ؐ کے اہل بیت میں سے تھے، لیکن ان کی حکومت بھی پورے عرب پر قائم نہیں ہو سکی۔ بنو امیّہ اور بنو عباس بھی آپ ؐ کے اہل بیت میں سے نہ تھے۔ تو یوں سمجھئے کہ اہل بیت کا لفظ نسل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور جس بادشاہ کا ذکر اس حدیث میں ہے وہ آپ ؐ کی نسل سے ہو گا۔ پھر آپ ؐ نے فرمایا کہ اس کا نام میرے نام پر ہو گا۔ یہ روایت جامع ترمذی اور سنن ابی داوٗد میں موجود ہے۔ جبکہ ابوداوٗد کی ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں :

((لَوْلَمْ یَبْقَ مِنَ الدُّنیا اِلَّا یومٌ یطولُ اللّٰہُ ذٰلکَ الیومَ حتّٰی

يَبعثُ اللّٰهُ فيه رجلاً مِنّي ---اواهلِ بَيْتِي ---يُواطئُ اسْمُهُ اسْمِي وَاسْمُ اَبيهِ اسْمُ اَبِي 'يَمْلأُ الارضَ قِسطاً وعَدلاً كما مُلِئتْ ظُلماً وجوراً))

"اگر دنیا (کی عمر) میں سے صرف ایک دن بھی باقی رہ گیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لمبا کر دے گا' یہاں تک کہ اس میں اللہ تعالیٰ مجھ سے (یا فرمایا : میرے اہل میں سے) ایک آدمی کو اٹھائے گا' جس کا نام میرے نام کے موافق اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہو گا۔ وہ زمین کو انصاف اور عدل سے بھر دے گا جیسا کہ اس سے پہلے وہ ظلم اور جور سے بھری ہوئی ہو گی"۔

متذکرہ بالا دونوں احادیث میں جس بادشاہ کا ذکر ہے یہ وہی شخصیت ہے جسے اہل سنت مہدی مانتے ہیں۔

عن امّ سلمة رضی اللہ عنہا قالت : سمعتُ رسولَ اللّٰہ ﷺ يقول : ((اَلْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِي 'مِنْ اَوْلَادِ فَاطِمَةَ))

(رواه ابوداؤد)

(ام المومنین) امّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا : "مہدی میری عترت سے' اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں سے ہو گا"۔ (اسے ابوداؤد نے روایت کیا)

اس حدیث میں ان کا ذکر مہدی کے نام سے آ گیا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث میں مہدی کا تذکرہ ملتا ہے' لیکن میں اب سعودی عرب کے خاص حالات کے حوالے سے ایک حدیث بیان کر رہا ہوں۔ جہاں تک میرا احساس ہے سعودی عرب میں اس وقت حالات یہی رخ اختیار کر رہے ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے۔ واللہ اعلم! اس وقت شاہ فہد کی صحت تقریباً جواب دے چکی ہے اور ان کے انتقال کے بعد وہاں ولی عہد شہزادہ عبداللہ کی تخت نشینی کے مسئلہ پر شدید اختلاف کا اندیشہ ہے۔ مجھے تو ایک صاحب نے یہ بھی بتایا تھا کہ جب شاہ فہد نے زمامِ حکومت سنبھالی تو اس وقت بھی وہ عبداللہ کو اپنا ولی عہد بنانا پسند نہیں کر رہے تھے اور اس مسئلے پر اس قدر جھگڑا ہوا تھا کہ عبداللہ نے فہد پر گولی چلا دی تھی' لیکن وہ بچ گئے تھے۔ گویا کہ یہ چپقلش آغاز سے موجود ہے۔ اگرچہ فہد

کو عبد اللہ کا ولی عہد بننا پسند نہیں تھا لیکن خاندان کے بڑوں نے یہ طے کیا کہ فہد کے بعد عبد اللہ کی باری ہے۔ اب یہ بھی ممکن ہے کہ عبد اللہ کو روکنے کے لئے اسے قتل کرا دیا جائے۔ سی آئی اے سے یہ بعید نہیں ہے۔ کوئی اور صورت بھی پیش آسکتی ہے، لیکن اس کا جو نتیجہ نکلے گا اس کا نقشہ اس حدیث کے اندر دیکھ لیجئے۔

عن ام سلمة رضی اللہ عنہا عن النبیّ ﷺ قال : ((یَکُوْنُ اخْتِلافٌ عِندَ موتِ خلیفةٍ فیَخرُجُ رجلٌ مِن اھلِ المدینةِ ھارِبًا الیٰ مکةَ، فیأتیهِ ناسٌ مِن اھلِ مکةَ، فیُخرِجُوْنَهُ وھُو کارِهٌ، فیُبایِعُوْنَهُ بَیْنَ الرُّکْنِ وَالْمُقامِ))

(ام المومنین) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "ایک خلیفہ (یعنی بادشاہ) کی موت پر اختلاف واقع ہو جائے گا۔ چنانچہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص بھاگ کر (پناہ لینے کے لئے) مکہ چلا جائے گا۔ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ اس کے پاس آئیں گے اور وہ اسے نکالیں گے (بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ کعبے کے پردے کے پیچھے چھپا ہو گا) اور وہ اسے ناپسند کرتا ہو گا (کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے) پھر وہ رکن (خانہ کعبہ کا وہ کونہ جس میں حجر اسود نصب ہے) اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے........"

ظاہر ہے کہ جب بھی کہیں اس طرح کا انتشار پیدا ہوتا ہے تو جو لوگ اپنی سیاسی آراء کے حوالے سے نمایاں ہوتے ہیں ان کی جان کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں جس شخصیت کا ذکر ہے وہ بھی کوئی نمایاں شخصیت ہو گی جو اپنی جان بچانے کے لئے مدینے سے جا کر مکہ میں پناہ لے گی۔ اہل مکہ انہیں پہچان لیں گے کہ یہی مہدیٔ موعود ہیں۔ چنانچہ انہیں ان کی پناہ گاہ سے (یعنی بیت اللہ کے پردوں کے پیچھے سے) نکال کر ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ زیر نظر حدیث میں اس کے بعد کچھ جنگوں کا تذکرہ ہے کہ شام سے ان کے خلاف جنگ کے لئے جو لشکر روانہ ہو گا اسے مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام بیداء پر دھنسا دیا جائے گا۔ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہی مہدی ہیں تو پھر شام، عراق اور عرب

کے کونے کونے سے لوگ آ کر ان کے ساتھ جمع ہو جائیں گے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے۔ پھر کچھ جنگیں ہوں گی جن کے بعد مہدی کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ حدیث کے آخری الفاظ کے مطابق:

((وَيَعْمَلُ فِي النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِيِّهِمْ وَيُلْقِي الْإِسلامُ بِجِرَانِهِ فِي الأَرْضِ، فَيَلْبَثُ سَبعَ سِنِين ثُمَّ يُتَوَفَّىٰ وَيُصَلِّي عليه الْمُسْلِمُون)) (رواه ابوداود)

"(پھر وقت آجائے گا کہ) لوگوں پر ان کے نبیؐ کی سنت کے مطابق حکومت ہو گی اور اسلام زمین پر اپنا جھنڈا نصب کر دے گا۔ پھر وہ (مہدی) سات سال تک رہیں گے، پھر ان کا انتقال ہو جائے گا اور مسلمان ان کی نماز جنازہ ادا کریں گے"۔

تو یہ ہیں حضرت مہدی جو عرب کے دورِ خلفشار میں ایک نیک شخصیت کی حیثیت سے ابھریں گے۔ اہل حق ان کے گرد جمع ہوں گے اور اہل باطل کے ساتھ ان کی جنگیں ہوں گی۔ بالآخر انہیں کامیابی حاصل ہو گی اور یہ عرب میں ایک اسلامی حکومت قائم کر لیں گے۔

اب اس کے ساتھ ان احادیث کو جوڑیئے جو میں قبل ازیں کئی بار بیان کر چکا ہوں۔ امام مہدی کو جو مدد ملے گی اس کے ضمن میں ابن ماجہ کی یہ حدیث بہت اہم ہے:

عن عبدِاللّٰہ بن الحارث ﷺ قال قال رسولُ اللّٰہ ﷺ :

((يخرجُ ناسٌ مِنَ المشرقِ فيوَطِّئُون لِلمَهدِي يعني سُلطانَهُ))

عبداللہ بن الحارث ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مشرق سے لوگ نکلیں گے جو مہدی کی مدد یعنی ان کی حکومت کے تمکن کے لئے زمین کو روندتے ہوئے بڑھتے چلے جائیں گے"۔

اس حدیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ مشرق کے کسی علاقے میں پہلے سے اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہو گی۔ اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "خراسان" کا علاقہ ہے، جس کے بارے میں میں بتا چکا ہوں کہ اس میں افغانستان اور پاکستان کے بعض

علاقے شامل ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((يَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَايَاتٌ سُودٌ' فَلَا يَرُدُّهَا شَيْءٌ حَتّٰى تُنْصَبَ بِإِيلِيَاءَ)) (رواہ الترمذی)

"خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے' جنہیں کوئی شے واپس نہیں کر سکے گی' یہاں تک کہ وہ ایلیاء (بیت المقدس) میں نصب کر دیے جائیں گے"۔

اس دور میں ہم نے جن حدیثوں کو بحمد اللہ بہت عام کیا ہے ان میں سے حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی ہے جو سنن النسائی میں وارد ہوئی ہے:

((عِصَابَتَانِ مِنْ أُمَّتِي أَحْرَزَهُمَا اللّٰهُ مِنَ النَّارِ' عِصَابَةٌ تَغْزُو الْهِنْدَ وَعِصَابَةٌ تَكُونُ مَعَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ))

"میری امت میں سے دو گروہ ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ آگ سے بچا لے گا۔ ایک گروہ جو ہندوستان سے جہاد کرے گا اور دوسرا گروہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا ساتھ دے گا۔"

ان دو لشکروں کے بارے میں دنیا ہی میں فیصلہ کر دیا گیا کہ جو ان میں شریک ہو گا وہ جہنم کی آگ سے بچ جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دجال سے جو جنگ ہونی ہے اس میں یہاں سے جانے والے لشکر شریک ہوں گے اور ظاہر ہے کہ اس سے پہلے یہاں اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہو گی اور اس کی توسیع مشرق میں بھی ہو گی اور مغرب میں بھی۔ چنانچہ ہندوستان پر حملہ آور ہونے والے لشکر کا تعلق بھی یہیں سے ہو گا۔

ہمارے کرنے کا اصل کام؟

احادیث نبویہ ؐ کی روشنی میں حضرت مہدی کی شخصیت کے بارے میں مَیں نے اپنا موقف بیان کر دیا ہے۔ اب یہ سمجھ لیجئے کہ میرے اور آپ کے کرنے کا اصل کام کیا ہے؟ ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا ہم اس جماعت میں شامل ہیں جو دین کی تجدید کے لئے اور

صحیح دین کو دنیا کے سامنے پیش کرنے اور اسے دنیا میں قائم کرنے کے لئے جدوجہد کر رہی ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں بلاخوفِ تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ نظامِ خلافت بالآخر قائم ہو کر رہے گا اور قیامت سے قبل پورے کرۂ ارضی پر اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ ہمیں اپنے بارے میں طے کرنا ہے کہ ہمارا اس میں کردار کیا ہو گا۔ ابولہب اور حضرت حمزہؓ دونوں حضور ﷺ کے سگے چچا تھے لیکن غلبۂ دین کی جدوجہد میں دونوں کا کردار ایک دوسرے کے بالکل مخالف تھا۔ ایک انتہائی محروم ٹھہرا اور سورۂ لہب میں اسے بدترین نمائندہ کردار کے طور پر پیش کیا گیا جبکہ دوسرا سیّد الشہداء قرار پایا۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم کس فہرست میں اپنا نام لکھوانا چاہتے ہیں۔ آنحضور ﷺ کا تیسرا چچا کچھ بین بین تھا، وہ ایمان تو نہیں لایا لیکن آپؐ کی سرپرستی کرتا رہا، یعنی ابو طالب۔ چوتھے چچا وہ تھے جو ایمان لائے لیکن وہ "سابقون الاولون" میں شامل نہیں تھے اور اس عظیم انقلابی جدوجہد میں ان کا کوئی نمایاں رول سامنے نہیں آتا۔ شاید اسی لئے جمعہ کے خطبوں میں ان کے لئے یہ الفاظ آتے ہیں : "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِہٖ مَغْفِرَۃً ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا"۔ سید الشہداء حضرت حمزہؓ سے اگر ان کا تقابل کریں تو وہ بہت پیچھے نظر آتے ہیں۔ تو آنحضور ﷺ کے یہ چار چچا ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے چاروں کا معاملہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ایک انتہا پر سید الشہداء حضرت حمزہؓ ہیں جو "اَسَدُ اللّٰہِ وَاَسَدُ رَسُوْلِہٖ" قرار پائے، دوسری انتہا پر ابولہب ہے جو آپؐ کا بدترین دشمن تھا۔ درمیان میں ایک طرف ابو طالب ہیں جو اگرچہ ایمان تو نہیں لائے لیکن آپؐ کی مدد اور تعاون کرتے رہے۔ ان کے بالمقابل دوسری طرف درمیان میں حضرت عباس ہیں جو ایمان تو لائے اور فتح مکہ کے بعد محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی رہے لیکن آنحضور ﷺ کی انقلابی جدوجہد میں ان سے منسوب کوئی قابل ذکر کارنامہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ تو اصل بات ہمارے سوچنے کی یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو کن لوگوں کے ساتھ شامل کرنا چاہتے ہیں اور اپنے بارے میں کیا رول طے کرتے ہیں۔

میں اس ضمن میں ایک اور حدیث آپ کو سنانا چاہتا ہوں کہ وہ جماعت جو آخری

دور میں حق کے لئے میدان میں نکلے گی اس کا مقام و مرتبہ کیا ہو گا!! اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے "دلائل النبوۃ" میں درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو :

عن عبدالرحمٰن بن العلاء الحضرمی ؓ قال حدّثنی مَن سمِعَ النبیَّ ﷺ یقولُ : ((اِنَّہ سیکون فی آخرِ ھٰذہِ الامۃِ قومٌ لھم مثلُ اجرِ اوَّلِھِمْ ' یَامُرُونَ بِالمعروفِ وَیَنھَون عَنِ المُنکَرِوَیُقَاتِلُونَ اَھْلَ الْفِتَنِ))

"حضرت عبدالرحمٰن بن العلاء الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بات مجھ سے اس شخص نے بیان کی جس نے خود براہ راست آنحضور ﷺ سے سنی' کہ یقیناً میری امت کے آخری دور میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ جو اپنے اجر و ثواب کے اعتبار سے بالکل ابتدائی زمانے کے اہل ایمان کے مساوی ہوں گے۔ (یعنی جیسے آنحضورؐ کے دور میں حالات انتہائی نامساعد تھے اسی طرح آخری دور میں بھی مسلمانوں کو انتہائی مشکل حالات اور آزمائشوں سے سابقہ پیش آئے گا اور اسی وجہ سے ان کا اجر بھی سابقون الاولون کے مثل ہو گا۔ لیکن یہ اجر کن لوگوں کے لئے ہو گا؟ اس کا جواب حدیث کے اگلے الفاظ میں آ رہا ہے) وہ لوگ نیکی کا حکم دیں گے اور برائیوں سے روکیں گے اور فتنہ برپا کرنے والوں سے جنگ کریں گے"۔

یہ اجر و ثواب اور مقام و مرتبہ ان لوگوں کے لئے ہو گا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں گے اور دشمنانِ دین کے خلاف منظم جہاد کریں گے۔ دیکھئے' اسلامی انقلاب کے آخری مراحل کے بیان کے لئے میں ہمیشہ "نہی عن المنکر" کا عنوان اختیار کرتا ہوں کہ "نہی عن المنکر" کا عمل جب "زبان" سے بڑھ کر بازو اور قوت کے استعمال کے مرحلے میں داخل ہو گا تو یہی وہ آخری مرحلہ ہو گا جو فیصلہ کن ثابت ہو گا۔ تاہم یہ کام ایک منظم اجتماعی جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بہرکیف جو لوگ اس رخ پر جدوجہد کریں گے' اس حدیث میں انہی کے لئے بشارت وارد ہوئی ہے۔

مشکوٰۃ شریف کے آخری باب کا عنوان ہے : "ثوابُ ھٰذہِ الامۃ"۔ یہ حدیث مشکوٰۃ کے اسی باب میں شامل ہے۔ لہٰذا یہ نہ سمجھئے کہ وہ مقامات بلند تو اب ہمیں کسی درجے میں بھی حاصل ہی نہیں ہو سکتے۔ ابھی موقع ہے' آؤ ہمت کرو! دنیا کو چھوڑو'

رہبانیت کے انداز میں نہیں، مجاہدین کے انداز میں۔ اسی لئے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمارے دین میں رہبانیت نہیں ہے سوائے دو صورتوں کے، ایک صوم اور دوسرا جہاد۔ دیکھئے روزہ میں بھی کچھ پابندیاں ہوتی ہیں۔ کھانے پینے کی اور بیویوں کے ساتھ تعلقات کی۔ یہ گویا چودہ پندرہ گھنٹے کی رہبانیت ہے۔ اور جہاد میں کیا ہے؟ آدمی اپنے گھر سے نکلتا ہے، تکلیفیں اٹھاتا اور مشقتیں جھیلتا ہے، گویا یہ بھی عارضی طور پر ترکِ دنیا کی ایک صورت ہے۔ یہ وہ رہبانیت نہیں کہ دنیا سے بالکل کٹ کر غاروں میں چھپ جاؤ، بلکہ یہ تو ع "نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری!" والی بات ہے۔ یہ تصوف کی ایک مختلف صورت ہے۔ یہ وہ فعال تصوف ہے جو سید احمد بریلوی شہیدؒ کا تھا کہ جو انسان کو جہاد و قتال پر آمادہ کرتا ہے۔ اسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ سلسلہ محمدیہ ہے جس میں سید احمد بریلویؒ نے بیعت لی تھی۔ ہمارے ہاں دیگر تمام سلاسل موجود ہیں۔ سلسلۂ قادریہ بھی ہے اور سلسلہ چشتیہ بھی۔ اسی طرح سلسلہ صابریہ، سلسلہ مجددیہ، نقشبندیہ اور سلسلہ سہروردیہ سب موجود ہیں۔ سوال یہ ہے کہ "سلسلہ محمدیہ" کہاں گیا؟ سید احمد بریلوی شہید پہلے معروف سلاسل میں کچھ سلوک طے کرانے کے بعد پھر بیعت لیتے تھے سلسلہ محمدیہ میں، کہ اب آؤ جہاد کی بیعت کرو! نَحنُ الَّذِین بایَعُوا محمَّدا!! علی الجہادِ ما بقینا ابدا!! (ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ سے جہاد کی بیعت کی ہے، اب یہ جہاد جاری رہے گا جب تک جان میں جان ہے۔) تنظیم اسلامی اسی دعوت کو لے کر اٹھی ہے۔ اللّٰھم وفّقنا لھٰذا.

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات OO

بدگمانی یا غلط بیانی؟

اجتماع ماچھی گوٹھ کے بارے میں سابق امیر جماعت میاں طفیل محمد صاحب کے ایک مغالطہ آمیز بیان کے جواب میں مولانا عبدالغفار حسن کی وضاحت

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ہفت روزہ تکبیر کراچی ۱۶ نومبر ۱۹۹۵ء نمبر ۴۶ صفحہ ۱۶۔۱۵ پر میاں طفیل محمد صاحب کی ایک گفتگو شائع ہوئی ہے، جس کا عنوان ہے "جماعت اسلامی کے کُل پاکستان اجتماعات"۔ اس گفتگو کے آخر میں جناب میاں صاحب نے حسب ذیل گوہر افشانی فرمائی ہے:

"واقعاتی اعتبار سے ماچھی گوٹھ کا اجتماع اہمیت رکھتا ہے، جب جماعت اسلامی کے متعدد اکابر رہنماؤں نے جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی۔ یہ اجتماع صرف ارکان کا تھا۔ کیونکہ جماعت اسلامی میں یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ "جماعت کو سیاست میں حصہ لینا چاہئے یا نہیں"۔ مولانا مودودی اور ان کے ساتھ اتفاق رائے رکھنے والوں کی رائے تھی "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی" اس لئے جماعت کو سیاست میں حصہ لینا چاہئے جو پورے دین کا ایک حصہ ہے۔ سیاست کو چنگیزیت کے حوالے کر دینا دین نہیں ہے۔ یہ معاملہ طے کرنے کے لئے ارکان کا اجتماع منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مولانا مودودی نے اجتماع سے پہلے امارت سے استعفاء دے دیا۔ ان کی جگہ امیر جماعت اسلامی کراچی، چوہدری غلام محمد کو امیر جماعت مقرر کیا گیا۔ ان کی زیر صدارت، ماچھی گوٹھ میں ایک بھرپور مباحثہ ہوا جس میں کم و بیش ایک ہزار ارکان شریک ہوئے۔ مولانا مودودی کے نقطہ نظر کی حمایت میں ۹۰ اور ان کے مخالفین کے حق میں صرف پندرہ ووٹ ڈالے گئے۔
اس سارے قضیہ میں شامل ایک اہم شخصیت ڈاکٹر اسرار احمد کی تھی۔ مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا وصی مظہر ندوی اور مولانا عبدالغفار حسن جیسی

شخصیات کو یہ تیس بتیس سالہ [۱] جوان غچہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ اگرچہ یہ تمام اکابرین آج ڈاکٹر اسرار احمد کے بارے میں ایک بالکل الٹ رائے رکھتے ہیں"۔

یہ عبارت غلط بیانیوں کا مجموعہ ہے' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نادانستہ 'غیر شعوری طور پر غلط بیانی کی گئی ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ وہی نکل سکتا ہے جو دانستہ غلط بیانی کا نکلتا ہے۔

محترم میاں صاحب کی پہلی غلط بیانی یہ ہے کہ "جماعت اسلامی میں یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ جماعت کو سیاست میں حصہ لینا چاہئے یا نہیں"۔ یہ بات اصل واقعہ کے خلاف ہے۔ اصل اختلاف اس بات پر ہوا تھا کہ انتخابی سیاست میں 'موجودہ حالات میں' حصہ لینا مفید ہوگا یا نہیں۔ اور یہ اختلاف اسی وقت ہو گیا تھا جب ۱۹۵۱ء میں پنجاب کے صوبائی انتخابات کا مایوس کن نتیجہ نکلا۔ یعنی جماعت اسلامی کے ۵۳ پنچایتی نمائندوں میں سے صرف ایک کامیاب ہو سکا۔ اور وہ بھی اس بناء پر کہ وہ اپنے علاقہ میں انتہائی محترم اور پیر کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس میں جماعت اسلامی کی مقبولیت کا کوئی اثر نہیں تھا۔ کہا جاتا ہے ہر ووٹر کے لئے دو ووٹ دینے کا حق تھا' ایک مقامی اور دوسرا مہاجر۔ لوگوں نے کہا ایک ووٹ ہم رحمان کو دیتے ہیں اور دوسرا شیطان کو۔

راقم الحروف اس وقت سیالکوٹ میں امیر حلقہ تھا۔ پورے ضلع سیالکوٹ سے ۱۳ حلقوں میں سے آٹھ میں امیدوار کھڑے کئے گئے' جن میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا' بلکہ سوائے دو حلقوں کے' سب کی ضمانت بھی ضبط ہو گئی۔ اسی طرح خود میاں طفیل محمد صاحب دو حلقوں سے کھڑے ہوئے تھے' دونوں میں ناکام ہوئے۔ انتخابات کے بعد اس شرمناک شکست پر غور کیا گیا۔ اس وقت رائے یہ تھی کہ الیکشن کے موقع پر بہت زیادہ دھاندلی ہوئی ہے' اگر صاف و شفاف الیکشن ہوتا تو ہم ضرور کامیاب ہوتے۔ دوسری رائے یہ تھی کہ معاشرے میں ابھی تک اسلامی نظام کے لئے سچی تڑپ ہی پیدا نہیں ہوئی۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے معاشرے کو تیار کیا جائے اور اس کے دینی شعور کو بیدار کیا جائے اور اس میں کافی وقت لگے گا۔ اور یہ کوئی نئی رائے نہیں تھی بلکہ خود بانی جماعت اسلامی نے اپنی تحریر میں وضاحت کی ہے جس کا عنوان ہے "اسلامی حکومت کس

---

[۱] واضح رہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب کی عمر اس وقت چوبیس سال تھی۔

طرح قائم ہوتی ہے"۔ اس کے بعد ایک ذیلی عنوان ہے "اسلامی انقلاب کی واحد سبیل"۔

اسی طرح مولانا مرحوم نے اپنی تحریر "اسلام کا نظریہ سیاسی" میں جمہوریت کا پوسٹ مارٹم کیا ہے اور اس کو قرآن و حدیث کے خلاف قرار دیا ہے۔ اور یہ آیت پیش کی ہے "قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ" یعنی "(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ خبیث اور طیب برابر نہیں ہو سکتے خواہ خبیث کی کثرت تم کو بھلی (ہی کیوں نہ) لگے"۔ اسی طرح مولانا مرحوم (بانی جماعت) نے اپنی تالیف "تجدید و احیاء دین" میں سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے ناکامی کے اسباب پر تبصرہ کرتے ہوئے بھی اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے اور یہی بات مرکزی شوریٰ کے بعض ارکان نے بھی بار بار بیان کی تھی۔

خلاصہ یہ ہے، اختلاف اس امر پر تھا کہ انتخابی سیاست کے دنگل میں فی الفور کود جانا چاہئے یا پہلے معاشرے کی اصلاح اور فکری انقلاب کے لئے اپنی توانائیاں صرف کی جائیں۔

جائزہ کمیٹی کی رپورٹ، جو دسمبر ۵۶ء کے مرکزی شوریٰ کے اجلاس میں پیش ہوئی تھی اس میں جماعت کے دو سو ارکان نے حسب ذیل تین آراء کا اظہار کیا تھا :

۱۔ جماعت نے الیکشن میں قبل از وقت حصہ لیا ہے۔
۲۔ دینی مزاج اور سیاسی رنگ کے درمیان توازن باقی نہیں رہا۔ یعنی سیاسی رنگ غالب آگیا ہے اور دینی مزاج اس کے مقابلہ میں مغلوب ہو گیا ہے۔
۳۔ تیسری رائے۔ جماعت کی قیادت نے کلی طور پر اپنے سابقہ موقف سے انحراف کیا ہے۔

اس تیسری رائے کی تائید میں مولانا حکیم عبد الرحیم اشرف نے پوری وضاحت کے ساتھ مدلل طور پر نو گھنٹے کی تقریر کی اور راقم الحروف نے تقریباً دو گھنٹے اس رائے کی تائید میں دلائل و شواہد پیش کئے۔

لہذا اب یہ بات واضح ہو گئی کہ اختلاف مطلق سیاست میں نہیں تھا بلکہ انتخابی

سیاست کے بارے میں تھا۔ معلوم نہیں میاں طفیل صاحب کو یہ مغالطہ کہاں سے ہوا کہ وہ اپنے پرانے رفقاء کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔

محترم میاں صاحب نے علامہ اقبال مرحوم کے شعر کا ایک مصرعہ نقل کیا ہے اور پہلا مصرعہ گول کر گئے جس میں انہوں نے کہا ہے :

"جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو"
جدا ہوں دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ایک دوسرے شعر میں علامہ مرحوم نے جمہوریت کا تعارف اس طرح کروایا ہے ۔

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

یہی تو جائزہ کمیٹی کے ارکان کا موقف رہا ہے جسے دوسرے رفقاء نے غلط انداز سے پیش کیا۔

دسمبر ۱۹۵۶ء کی مرکزی مجلس شوریٰ میں جو ۱۰ دن تک جاری رہی، طویل بحث مباحثہ کے بعد، بالاتفاق یہ قرارداد پاس ہوئی کہ سردست جماعت الیکشن میں حصہ نہیں لے گی بلکہ اپنی ساری قوت فکری اور اخلاقی اصلاح کے لئے صرف کرے گی۔ لیکن اس قرارداد کے پاس ہونے کے باوجود معلوم نہیں وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر امیر جماعت اسلامی نے جائزہ کمیٹیوں کے ارکان پر تین بے بنیاد الزام لگائے۔

۱۔ نادانستہ سازش، ۲۔ دھڑے بندی، ۳۔ ہوس اقتدار

اور اس بنا پر جائزہ کمیٹی کے ارکان سے مرکزی شوریٰ کی رکنیت سے استعفےٰ طلب کر لئے گئے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ اور جائزہ کمیٹی کیوں بنی تھی؟ اور کیسے تشکیل پائی؟ اس کی تفصیل کسی دوسرے موقع پر عرض کی جائے گی، ان شاء اللہ۔ {۱}

اس تحریر کا اصل مقصد یہ ہے کہ جماعت اسلامی اور دوسری دینی جماعتیں اب بھی انتخابی سیاست کی دلدل سے اپنے آپ کو نکال لیں اور فکری و اخلاقی اصلاح کے لئے اپنی

{۱} اس تفصیل کے لئے دیکھئے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تالیف "تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب"

تمام توانائیاں صرف کر ڈالیں، جیسے ۱۹۵۱ء سے پہلے ہوتا رہا ہے، ورنہ صورتحال یہی رہے گی ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی پیش کردہ سیاست اور مروجہ انتخابی سیاست دونوں میں بڑا فرق ہے۔ یہ فرق ملحوظ رہنا چاہئے۔ اس بارے میں فرق نہ کرنے پر محترم میاں صاحب کو مغالطہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

دوسری غلط بیانی یہ ہے کہ میاں صاحب نے تحریر فرمایا ہے "یہ معاملہ طے کرنے کے لئے (سیاست دین میں داخل ہے یا نہیں) ارکان کا اجتماع منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مولانا مودودی نے اجتماع سے پہلے امارت سے استعفاء دے دیا"۔

بظاہر اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ماچھی گوٹھ کے اجتماع کی بنا پر مولانا مودودی نے امارت سے استعفاء دیا تھا حالانکہ معاملہ دوسرا ہے۔ مولانا نے یہ استعفاء اس خط کے جواب میں دیا تھا جو مولانا مودودی نے جائزہ کمیٹی کے نام تحریر فرمایا تھا، جس میں تین الزام لگائے گئے تھے۔ اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ جب امیر جماعت نے جائزہ کمیٹی کے ارکان کے نام خط (نوٹ) ارسال فرمایا اس میں مذکورہ بالا تین الزامات تھے، تو مولانا اصلاحی صاحب نے یہ نوٹ پڑھ کر بڑے افسوس کا اظہار کیا اور اس خط پر مفصل تبصرہ اور تنقید بھی کی۔ اور اس تحریر سے قبل مولانا اصلاحی صاحب دو مرتبہ مولانا مودودی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ اس نوٹ کو آپ واپس لے لیں اور مرکزی شوریٰ کو بلا کر اس کے سامنے ساری صورتحال رکھ دی جائے اور شوریٰ جو فیصلہ کرے اس پر عمل کیا جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس تجویز پر عمل نہ ہو سکا اور بحران بڑھتا ہی چلا گیا۔ مزید تفصیل کسی دوسرے موقع پر عرض کی جائے گی۔

تیسری غلط بیانی یہ ہے کہ محترم میاں طفیل صاحب لکھتے ہیں "مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا وصی مظہر ندوی اور مولانا عبدالغفار حسن جیسی شخصیات کو، تیس بتیس سالہ جوان (اسرار احمد) غچہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ اس سے ان کی قابلیت کا اندازہ لگایا جا

سکتا ہے"۔

میاں صاحب کا یہ انداز بیان انتہائی افسوسناک ہے۔ ابتداء میں جماعت اسلامی ایک داعی کی حیثیت سے ابھری تھی۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی الی اللہ کا دل مدعو کے لئے سوز و گداز سے پر ہوتا ہے اور طعن و تشنیع سے پاک۔ یہاں صورتحال اس کے برعکس ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کی قیادت انتخابی سیاست میں حصہ لینے کے بعد داعی الی اللہ کی بجائے ایک مسلم قومی جماعت بن کر رہ گئی ہے۔ اس لحاظ سے اس میں اور مسلم لیگ میں بہت تھوڑا فرق رہ گیا ہے۔ اندیشہ ہے کہ رفتہ رفتہ یہ جماعت اخلاقی لحاظ سے مسلم لیگ سے بھی بڑھ جائے گی۔ (خدا کرے ایسا نہ ہو)

یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ محترم میاں صاحب نے کس بنیاد پر غچہ دینے یا غچہ کھانے کا الزام لگایا ہے۔ جب تک میاں صاحب اس الزام کو دلائل و شواہد کے ساتھ ثابت نہیں کریں گے اسے کیسے باور کیا جاسکتا ہے۔

جن تین اکابرین کے نام میاں صاحب نے بتائے ہیں ان کے بارے میں یہ بات باور نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی کے فریب میں آئے ہوں' بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان تینوں نے جو بھی اختلاف کیا ہے وہ اپنی بصیرت اور مشاہدے کی بناء پر کیا۔ اسی طرح ڈاکٹر اسرار صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ان کی اپنی تحقیق و مطالعہ کا نتیجہ ہے اور انہوں نے جو شواہد پیش کئے ہیں اور جماعت کی قیادت کے بارے میں جس تضاد کی نشاندہی کی ہے وہ اپنی جگہ ناقابل تردید ہے۔ اسی طرح مولانا وصی مظہر ندوی پر بھی غچہ کھانے کا الزام درست نہیں ہے۔ اصل صورتحال یہ ہے کہ جائزہ کمیٹی کے ارکان اور مولانا اصلاحی صاحب ۵۷ء ہی میں جماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے' لیکن وصی مظہر ندوی صاحب مزید تلخ تجربوں سے الگ ہوئے۔ ان سب رفقاء کی جماعت سے علیحدگی کی بنیادیں دو تھیں :

۱۔ انتخابی سیاست سے اختلاف

۲۔ جماعت کی قیادت کا استبداد

یہی وجہ ہے کہ مولانا مودودی مرحوم کے نوٹ کے موصول ہونے کے بعد جائزہ کمیٹی کے

کنونیر مولانا عبدالرحیم اشرف نے المنبر کا جو اداریہ لکھا تھا اس کا عنوان تھا "جماعتوں کا سفاک قاتل۔ استبداد"۔

اسی طرح مولانا اصلاحی صاحب کے بارے میں یہ باور کرنا غلط ہے کہ وہ ڈاکٹر اسرار احمد کے چکر میں آگئے۔ میاں صاحب کا فرض ہے کہ یا تو وہ اس الزام کو دلائل و شواہد سے ثابت کریں یا اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کریں تاکہ وہ آخرت میں اس بہتان تراشی کی پاداش میں سزا سے محفوظ رہیں۔

عربی کا ایک شعر ہے ؎

جراحات السنان لها التیام
ولا یلتام ما جرح اللسان

"تلوار وغیرہ کے زخم تو مندمل ہو سکتے ہیں لیکن زبان کے لگائے ہوئے زخم نہیں بھرے جاسکتے۔"

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین OO

(بشکریہ : پندرہ روزہ المنبر' ۲۱ مارچ ۱۹۹۶ء' فیصل آباد)

سالانہ رپورٹ
تنظیم اسلامی بیرون پاکستان

(اکتوبر ۹۵ء تا اگست ۹۶ء)

——— مرتب : ڈاکٹر عبدالسمیع' ناظم اعلیٰ بیرون پاکستان ———

تنظیم اسلامی کے اس شعبے کا دائرہ کار نارتھ امریکہ اور یورپ ہے اور اس میں یو ایس اے' کینیڈا' برطانیہ' فرانس اور ناروے کے ممالک شامل ہیں۔ اس کا مرکزی نظم امیر محترم کو رپورٹ کرنے والے ایک ناظم اعلیٰ پر مشتمل ہے۔ اس کے تحت نارتھ امریکہ کا ایک حلقہ' فرانس اور لندن کی دو تنظیمیں اور ناروے کا ایک اسرہ شامل ہے۔

عرصہ زیر رپورٹ کے دوران امیر تنظیم اور ناظم اعلیٰ کے امریکہ کے دو دو دورے ہوئے۔ امیر محترم کا پہلا دورۂ امریکہ ۲۳/جنوری تا ۳/مارچ ۹۶ء اور دوسرا ۱۹/جولائی تا ۳/دسمبر ۹۶ء تھا' جبکہ اس خاکسار کا پہلا سفر دسمبر ۹۵ء اور دوسرا ۱۹/مئی تا ۲۰/اگست ۹۶ء ہوا۔

<u>امیر محترم کا پہلا دورۂ امریکہ (۲۳جنوری ۹۶ء تا ۳مارچ ۹۶ء)</u> : رمضان المبارک کے مہینے میں مسلم سینٹر آف نیویارک اور مسجد دارالقرآن لانگ آئی لینڈ کے دو مراکز کی دعوت پر امیر محترم ۲ رمضان کو نیویارک پہنچے۔ مسلم سینٹر میں دورۂ ترجمہ کا آغاز رمضان کی چوتھی شب سے ہوا اور ۲۰ویں شب تک سورۃ النساء سے سورۃ الحجر تک کا ترجمہ مکمل ہوا۔ اوسط حاضری ۸۰ تا ۱۰۰ رہی۔ یاد رہے کہ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کا ترجمہ گزشتہ سال مکمل ہو گیا تھا۔ ۲۱ویں شب طے شدہ پروگرام کے مطابق ترجمہ کا پروگرام Bay Shore کے مقام پر مسجد دارالقرآن میں منتقل ہوا۔ یہاں پر آخری دو پاروں کا ترجمہ مکمل ہوا۔ مسجد اگرچہ چھوٹی تھی لیکن پروگرام زیادہ کامیاب رہا۔ یہاں یہ ذکر مناسب ہے کہ جناب عاکف سعید صاحب ناظم مکتبہ تنظیم اسلامی پاکستان امریکہ کے پورے سفر میں امیر محترم کی معیت میں تھے اور دونوں مساجد میں دورۂ ترجمہ کے ساتھ تراویح انہوں نے ہی پڑھائی۔

نمازِ عید لانگ آئی لینڈ کے ایک مرکزی مقام Hungtington Town میں امیر محترم نے پڑھائی، جس کے ایک وسیع و عریض اور خوبصورت ہال میں نمازِ عید کا انتظام کیا گیا تھا۔ حاضری آٹھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ امیر محترم کے قیام کے دوران چھ جمعے آئے۔ انہوں نے تین جمعے تو مسلم سینٹر آف نیویارک ہی میں پڑھائے اور جہاد بالقرآن کو موضوع بنایا، جبکہ چوتھا جمعہ جو رمضان المبارک کا جمعۃ الوداع تھا دارالقرآن میں پڑھایا۔ شدید برف باری کے باوجود بہت رش تھا۔ پانچواں جمعہ امیر محترم نے مین ہیٹن میں پڑھایا اور چھٹا اور آخری جمعہ ٹریسٹن کی مسجد میں پڑھایا۔ اس پورے سفر کے دوران صرف دو خطاب اردو میں ہوئے ایک مسلم سینٹر اور دوسرا دارالقرآن میں۔

امیر محترم کا دوسرا دورۂ امریکہ (۱۹ جولائی تا ۳ ستمبر ۹۶ء) : اس سفر میں چونکہ پاکستان سے امیر محترم کے ہمراہ کوئی نہ جا سکا لہٰذا نیو جرسی کے ایک نوجوان رفیق الماس چوہدری اس پورے سفر میں امیر محترم کے خادم خاص کی حیثیت سے ان کے ساتھ رہے، اللہ تعالیٰ موصوف کو اجر عطا فرمائے۔ امیر محترم نیویارک کو مرکز بنا کر پہلے شکاگو گئے، پھر وہیں سے کیلی فورنیا تشریف لے گئے۔ اس سفر کے دوران امیر محترم نے Sacremento اور Santakalara میں بھرپور پروگرام کئے، جس کے نتیجے میں دونوں مقامات پر علی الترتیب ۱۱ اور ۷ افراد تنظیم میں شامل ہوئے۔ آپ نے لاس اینجلس میں ہونے والے صوفی کونشن میں بھی شرکت فرمائی۔ دوبارہ نیویارک آنے کے بعد آپ ہوسٹن (ٹیکساس) گئے۔ یہاں بھی تین نئے حضرات نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ ہوسٹن سے میمفس (ٹینی سی) گئے جہاں چار نئے رفقاء شامل ہوئے۔ واپس آکر امیر محترم نے چند روز نیویارک ہی میں قیام فرمایا۔ اس دوران آپ نے ۱۶/اگست کو مسلم سینٹر آف نیویارک میں خطبہ جمعہ دیا اور اسی شام "Response to the call of Allah" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ آپ نیو جرسی بھی تشریف لے گئے اور اس پورے قیام کے دوران محترم ڈاکٹر صاحب نے مختلف لوگوں سے ملاقات کی۔ اس کے بعد آپ ۳۱/اگست اور یکم ستمبر کو منعقد ہونے والے تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کی پہلی منتخب شوریٰ کے پہلے اجلاس کی صدارت کے لئے کولمبس (اوہائیو) تشریف لے گئے۔ کولمبس سے ہی بذریعہ سڑک آپ ڈیٹرائٹ بھی گئے اور وہاں پر تنظیمی امور نمٹائے۔

ناظم اعلیٰ کا پہلا سفر : اگست ستمبر ۹۵ء میں منعقد ہونے والے پہلے ٹیما کونشن میں امیر محترم نے اعلان فرمادیا تھا کہ دسمبر کے آخری عشرے میں ایک تربیت گاہ منعقد ہوگی اور اس مقصد کے

لئے وہ راقم الحروف کو بطور خاص امریکہ بھیجیں گے۔ نیو جرسی کے شہر ٹرینٹن کی جامع مسجد کے Basement میں مجوزہ تربیت گاہ پروگرام کے مطابق ۲۴ تا ۳۱ دسمبر ۹۵ء منعقد ہوئی۔ اس تربیت گاہ میں مانٹریال کے چار اور کیلی فورنیا کے ایک رفیق سمیت کل ۳۰ رفقاء شریک ہوئے، جن میں سے ۲۰ رفقاء اجتماعی طور پر سات منٹ کی ڈرائیو پر ایک ہوٹل میں مقیم رہے۔ پروگرام نماز فجر سے شروع ہوتا۔ راقم خود فجر کی امامت کرواتا، بعدہ ۴۵ منٹ کا درس حدیث دیتا۔ اس میں اربعین نووی کی ۳۰ احادیث کا درس انگریزی زبان میں مکمل ہوا۔ ناشتے کے بعد ۸ بجے راقم منتخب نصاب نمبر۲ کا درس بزبان انگریزی دیتا۔ اس کے بعد معتمد ٹینا (Tina) جناب تنویر عظمت منہج انقلاب نبوی ؐ پر لیکچر دیتے۔ اس کے بعد متعین موضوعات پر لیکچر اور مطالعہ خاکسار کرواتا۔ عصر اور عشاء کے درمیان شرکاء تربیت گاہ نے "اسلام کی نشاۃ ثانیہ" امیر محترم اور Modern organization and its management محترم سراج الحق سید صاحب کے ویڈیوز کے ذریعے پڑھی۔ عشاء کی نماز کے بعد ایک Optional عربی کلاس بھی پڑھائی گئی جس کا دورانیہ اولاً تین گھنٹے اور بعدہ ایک گھنٹہ رہا۔

ناظم اعلیٰ کا دوسرا سفر: محترم امیر تنظیم اسلامی کے حکم پر یہ ناچیز ۱۹ مئی کو نیو یارک پہنچا، تین روز قیام کے بعد مانٹریال روانہ ہو گیا۔ مانٹریال میں ہفتہ بھر قیام کے دوران ایک خطبہ جمعہ اور دو خطابات ہوئے۔ واپس نیو یارک آکر دو ماہ اور بائیس دن نیو یارک کے Tristate ایریا ہی میں رہا۔ اس دوران اولاً مسلم سینٹر آف نیو یارک میں ایک عربی کلاس صبح اور دوسری شام کو مکمل کی۔ بعد ازاں ایک کلاس دار القرآن Bay Shore میں صبح کے وقت اور دوسرے جامع مسجد ویسٹ بری میں شام کے وقت پڑھائی۔ انگریزی میں پڑھائی گئی ایک عربی کلاس کے ویڈیوز بھی تیار کئے گئے۔ اس قیام کے دوران مین ہیٹن کی مسجد الرحمن اور وارن سٹریٹ نیو یارک میں مسلم سینٹر، مکی مسجد، ICNA سینٹر، مسجد فاطمہ، مسجد عابدین، لانگ آئی لینڈ میں دار القرآن اور سیلڈن کی مساجد، نیو جرسی میں ٹرینٹن اور Kenerticut کی ایک مسجد میں خطابات جمعہ دیئے اور اس علاقے کی مختلف مساجد میں جہاں موقع ملا خطابات کئے۔ خطبات جمعہ اور خطابات کا موضوع اکثر و بیشتر اسلام کا معاشرتی نظام تھا۔ اسی قیام کے دوران Weekend یعنی ہفتہ اور اتوار کی چھٹیوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چار چار Weekends کی دو تربیت گاہیں رفقاء تنظیم اسلامی کی تربیت کی غرض سے منعقد کی گئیں، ان سے کل ۱۳ رفقاء نے استفادہ کیا۔ ان تربیت گاہوں میں منتخب نصاب نمبر۲ اور اربعین نووی کی کچھ احادیث کا

درس دیا گیا اور "اسلام کی نشاۃ ثانیہ" اور "اسلام کا انقلابی فکر" نامی کتابچوں اور تنظیم کے عقائد کا مطالعہ کروانے کے علاوہ کچھ موضوعات پر لیکچرز بھی دیئے گئے۔

لندن : امیر محترم پچھلے سال ستمبر میں برطانیہ تشریف لے گئے تھے اور وہاں دوبارہ نظم قائم فرمایا تھا۔ ڈاکٹر عظیم اللہ خان صاحب کو امیر نامزد فرمایا تھا۔ سال زیر رپورٹ کے دوران امیر تنظیم کے لندن سے تحریط اور معتمد کے صرف دو خط موصول ہوئے۔ وہاں تنظیم کی حالت تسلی بخش نہیں ہے۔ رفقاء کی صحیح تعداد بھی واضح نہیں ہے۔

پیرس : امیر حاجی محمد اشرف صاحب ہیں۔ رفقاء کی تعداد ۱۲ ہے۔ پیرس کے رفقاء نے جنوری میں ایک ہفت روزہ تربیت گاہ کا پروگرام بنایا تھا لیکن اولاً اسلام آباد اور ثانیاً نیویارک سے ویزا کے حصول میں راقم ناکامی کے باعث اس تربیت گاہ کا انعقاد نہ ہو سکا۔

ناروے : ناروے میں ہمارے تین رفیق ہیں جو اپنے نقیب جناب عبدالرحمٰن غوث صاحب کی رہنمائی میں مستعدی سے کام کر رہے ہیں۔

TINA : بیرون پاکستان تنظیم اسلامی کا سب سے بڑا نظم تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ یعنی TINA کے نام سے ہے۔ اس حلقے کے امیر جناب محمد عطاء الرحمٰن صاحب ہیں جو شکاگو میں مقیم ہیں۔ اس حلقے میں آٹھ تنظیمیں اور چار اسرے ہیں۔

رفقاء کی کل تعداد : ۳۰ ستمبر ۹۵ء کو ۱۸۵ تھی۔ ۳۱/ اگست ۹۶ء کو ۲۵۲ ہے۔ ان میں سے ملتزم ۸۵ ہیں۔

MAKTABA STATISTICS (Oct. 1995 to Aug. 1996)

Country	No of Meesaq	No of Hikmat	No of Nida	No of Quranic Horizons	Sale Amount of Books	Sale Amount of Cassettes
U.S.A	704	606	1075	73	52475	60758
CANADA	288	140	313	85	13930	1500
U.K	299	130	315	21	32553	6700
FRANCE	45	28	88	x	135	1475
NORWAY	176	22	352	6	7110	1070

****

تنظیم اسلامی کا اکیسواں سالانہ اجتماع

۴/ تا ۶/ اکتوبر ۱۹۹۶ء

مرتب : محبوب الحق عاجز

تنظیموں اور تحریکوں کی زندگی میں اجتماعات بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں' کیونکہ ان اجتماعات میں ایک فکر' ایک نظریہ' ایک راستے اور ایک منزل کے مسافر اکٹھے ہو کر اپنی کارگزاری کا جائزہ لیتے ہیں اور اپنے ماضی کے گہرے تجزیئے اور حال کے جائزے کی روشنی میں اپنے مستقبل کا لائحہ عمل مرتب کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے اجتماعات اور میل ملاپ کی اہمیت اور افادیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ تنظیم اسلامی کو قائم ہوئے اکیس برس بیت چکے ہیں اور بائیسویں سال کے آغاز میں ۴' ۵' ۶/ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو راولپنڈی میں تنظیم اسلامی کا اکیسواں سالانہ اجتماع منعقد ہوا۔ لیکن اس بار یہ اجتماع پنجاب کے حلقہ جات (ماسوائے جنوبی پنجاب کے) اور حلقہ آزاد کشمیر و حلقہ سرحد کے رفقاء پر مشتمل تھا۔ واضح رہے کہ حلقہ جات جنوبی پنجاب اور سندھ و بلوچستان کا سالانہ اجتماع ۲۲' ۲۳' ۲۴/ نومبر کو سکھر میں منعقد ہو گا۔

اس بار سالانہ اجتماع کی ایک خاص بات تو یہی تھی کہ اس میں پورے پاکستان کے رفقاء شریک نہ تھے' اور دوسرے یہ کہ یہ پہلا سالانہ اجتماع تھا جو بیرون لاہور کسی بڑے شہر میں منعقد ہوا۔ اجتماع کے لئے راولپنڈی کے مشہور زمانہ سیاسی اہمیت کے حامل "لیاقت باغ" کا انتخاب کیا گیا تھا۔ ناظم اجتماع محترم شمس الحق اعوان اور مقامی رفقائے تنظیم اسلامی کی انتھک محنت اور کوششوں سے اجتماع گاہ کے جملہ انتظامات احسن انداز میں مکمل کر لئے گئے تھے' لیکن رب حکیم کی حکمت کچھ اور تھی کہ اجتماع کے آغاز سے قبل دو راتیں موسلا دھار بارش ہوئی' جس کے نتیجے میں تمام تر انتظامات دھرے کے دھرے

رہ گئے اور جلسہ گاہ کی تمام زمین کیچڑ کی وجہ سے قابل استعمال نہ رہی۔ تاہم مقامی رفقاء کی محنت شاقہ کی بدولت متبادل انتظام کرلیا گیا تھا۔

سالانہ اجتماع کے لئے رفقائے تنظیم اسلامی اور معاونین تحریک خلافت کو "میثاق" اور "ندائے خلافت" میں اشتہارات کے ذریعے مطلع کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ قومی اخبارات کے ذریعے بھی اس کی پبلسٹی کی گئی تھی۔ چنانچہ ۳/ اکتوبر کی شام سے ہی پاکستان کے طول و عرض سے کارواں راولپنڈی کی طرف روانہ ہونے شروع ہو گئے تھے۔ لاہور کی تنظیموں کے اکثر رفقاء رات بارہ بجے والی ریل کار سے روانہ ہو کر نماز فجر سے قبل راولپنڈی پہنچے۔ اس طرح ۴/ اکتوبر کی صبح رفقاء کی آمد سے لیاقت باغ میں گہما گہمی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے باوجود کہ انتظامات کافی متاثر ہو چکے تھے' ناظم اجتماع جناب شمس الحق اعوان صاحب کی اللہ پر توکل اور استغناء کی کیفیت بڑی مسرور کن تھی جو لیاقت باغ کے گیٹ پر کھڑے خندہ پیشانی کے ساتھ خلافت کے پروانوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

اس اجتماع کی حیثیت بنیادی طور پر تو تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کی تھی لیکن اس کا دوسرا اہم پہلو یہ تھا کہ اس موقع پر "احیاء خلافت کانفرنس" کا انعقاد بھی کیا گیا' جس کے پروگرام عمومی دلچسپی کے حامل تھے۔ اس کانفرنس کے تین اجلاس منعقد ہوئے' جن میں امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے دو جامع خطابات کے علاوہ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے نمایاں اہل علم و دانش کی تقاریر و خطابات کے پروگرام شامل تھے۔

امیر محترم کا خطاب جمعہ

سالانہ اجتماع اور احیاء خلافت کانفرنس کا افتتاحی اجلاس امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب جمعہ پر مشتمل تھا' جس کا عنوان "عالمی خلافت کی نوید" تھا۔ اس خطاب جمعہ کی خصوصی طور پر بہت تشہیر کی گئی تھی اور پروگرام کے مطابق یہ لیاقت باغ میں تیار کی گئی جلسہ گاہ ہی میں ہونا تھا' لیکن جلسہ گاہ میں کیچڑ ہو جانے کے باعث اس کا

انتظام لیاقت ہال کے باہر پختہ فرش پر کیا گیا۔ رفقاء تنظیم کے علاوہ کثیر تعداد میں لوگ محترم ڈاکٹر صاحب کا خطاب سننے کے لئے آئے تھے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں فرمایا کہ عنقریب دنیا میں کفر و اسلام کا فیصلہ کن معرکہ ہونے والا ہے جس کے نتیجے میں اسلام کو عالمی غلبہ حاصل ہو گا اور قیامت سے قبل پورے کرۂ ارضی پر نظام خلافت قائم ہو کر رہے گا۔ بعض روایات سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اس عمل کا آغاز سرزمین پاکستان اور افغانستان سے ہو گا جس کے واضح آثار اب نظر آنے لگے ہیں۔ لہٰذا اہل پاکستان کو خاص طور پر منظم ہو کر جہاد کی تیاری کرنی چاہئے۔ دینی جماعتوں کے کردار پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے محترم ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ان جماعتوں کے انتخابی راستے کو اختیار کرنے سے پاکستان میں نفاذ اسلام کی منزل مزید دور ہوتی جا رہی ہے۔ عالمی حالات پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ امریکی نیو ورلڈ آرڈر دراصل یہودی ورلڈ آرڈر ہے جس کا بنیادی مقصد دنیا میں اسلامی تحریکوں اور دینی قوتوں کو کچلنا اور مسلمانوں کو اپنے زیر نگیں کرنا ہے۔ وطن عزیز میں انتشار و بدامنی اور قتل و غارت کے واقعات کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ اس کے پیچھے یہودی سازش کار فرما ہے، جو فرقہ وارانہ شیعہ سنی تصادم کے ذریعے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہودی پوری دنیا میں اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے عالم اسلام کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اب حق و باطل کے مابین آخری اور فیصلہ کن جنگ کے لئے سٹیج تیار ہو چکا ہے۔ انہوں نے اپنے اس گمان غالب کا اظہار بھی کیا کہ عالم عرب میں مہدی کی ولادت ہو چکی ہے اور ان کی قیادت میں کفر کے خلاف جنگ ہو گی جو اسلام کے عالمی غلبے پر منتج ہو گی۔ حدیث نبویؐ کے مطابق مہدی کی مدد کے لئے خراسان سے فوجیں روانہ ہوں گی---اور دور نبویؐ کا خراسان آج کے ایران، افغانستان اور پاکستان کے کچھ علاقوں پر مشتمل ہے۔

امیر محترم کے خطاب جمعہ کے بعد مولانا مظفر حسین ندوی صاحب نے عربی خطبہ پڑھا اور نماز جمعہ کی امامت کرائی۔

خلافت کانفرنس کا دوسرا اجلاس

خلافت کانفرنس کا دوسرا اجلاس نماز مغرب کے بعد سیٹلائٹ ٹاؤن میں واقع جناب قاری خوشی محمد صاحب کی انٹرنیشنل قرآن اکیڈمی میں جنرل (ر) محمد حسین انصاری صاحب ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ حاضرین کی کثیر تعداد کے سامنے قرآن اکیڈمی کا وسیع ہال تنگی داماں کا نقشہ پیش کر رہا تھا اور حاضرین و سامعین کی ایک بڑی تعداد ہال کی سیڑھیوں پر، ہال کے باہر بچھائی گئی دریوں پر اور سڑک کے کنارے موجود تھی۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے مختصر خطبہ افتتاحیہ کے بعد مردان سے تشریف لائے ہوئے جماعت اسلامی کے راہنما مولانا گوہر رحمٰن صاحب، حیدر آباد سندھ سے ممتاز عالم دین مولانا وصی مظہر ندوی صاحب، اخوت اکیڈمی اسلام آباد کے ریسرچ ڈائریکٹر جناب اکبر ثاقب صاحب، لاہور سے مولانا خورشید احمد گنگوہی صاحب، تحریک اسلامی کے امیر مولانا مختار گل صاحب، ممتاز شیعہ راہنما سید ہادی علی نقوی صاحب اور نیویارک اور نیو جرسی کی مسلم تنظیموں کی مشترکہ کمیٹی کے ڈائریکٹر برائے علوم اسلامی جناب عمران این حسین صاحب نے باری باری خطاب فرمایا۔ آخر میں صدر مجلس جنرل (ر) ایم ایچ انصاری صاحب نے صدارتی خطاب فرمایا۔ (اختصار کے پیش نظر تمام مقررین حضرات کے صرف اسماء گرامی درج کئے گئے ہیں۔ ان کے خطابات کے اہم نکات احیاء خلافت کانفرنس کی رپورٹ میں شامل کئے جا رہے ہیں جو ہفت روزہ ندائے خلافت کی ۳/نومبر کی اشاعت میں شائع کی جا رہی ہے۔) خلافت کانفرنس کا یہ دوسرا اجلاس رات گئے اجتماعی دعا کے ساتھ اختتام کو پہنچا جس کے بعد رفقاء تنظیم واپس لیاقت باغ پہنچے۔ رہائش کے لئے متبادل انتظام قریب ہی ایک زیر تعمیر پلازا میں کیا گیا تھا۔ چنانچہ نماز عشاء اور کھانے سے فراغت کے بعد تمام رفقاء اپنی رہائش گاہوں میں پہنچ گئے۔

سالانہ اجتماع کا دوسرا روز

اگلے روز یعنی ۵/اکتوبر کی صبح نماز فجر اسی پلازا کے کشادہ بیسمنٹ میں ادا کی گئی۔ نماز کے بعد حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن کے ناظم جناب شاہد اسلم نے قرآن حکیم کا درس دیا۔

اس کے بعد ناشتہ اور دوسری ضروریات کے لئے وقفہ تھا۔ سوا نو بجے اسی جگہ سالانہ اجتماع کی اگلی نشست کا آغاز ہوا۔ پروگرام کے مطابق پہلے سالانہ رپورٹس کے اہم نکات پیش کئے گئے۔ نائب امیر ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے مرکزی رپورٹ کی Highlights پیش کیں اور ناظم اعلیٰ جناب عبدالرزاق صاحب نے سالانہ کارکردگی رپورٹ کے اہم حصے پیش کئے، جس میں تنظیم اسلامی کے شعبہ نشرواشاعت کی رپورٹ بھی شامل تھی۔ بعد ازاں تربیتی نظام پر مشتمل رپورٹ ناظم تربیت جناب رحمت اللہ بٹر صاحب نے، جبکہ حلقہ خواتین کی رپورٹ حافظ عاکف سعید صاحب نے پیش کی۔ تنظیم اسلامی بیرون پاکستان کی رپورٹ ناظم اعلیٰ برائے بیرون پاکستان ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے پیش کی۔

<u>خطاب جناب مختار حسین فاروقی صاحب</u> : دوسرے مرحلے میں تنظیم اسلامی کے علاقائی قائدین کے مختلف موضوعات پر خطاب ہوئے۔ سب سے پہلے حلقہ جنوبی پنجاب کے امیر انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب نے "دین اور مذہب کا فرق" کے موضوع پر انتہائی مدلل اور پر مغز گفتگو کی۔

<u>خالد محمود عباسی صاحب</u> : اگلے مقرر حلقہ آزاد کشمیر کے ناظم خالد محمود عباسی تھے۔ ان کی تقریر کا موضوع "اسلام اور تہذیب جدید کے افکار" تھا۔ انہوں نے کہا کہ آج تہذیب مغرب کے متعلق ہماری عمومی رائے یہ ہے کہ یہ غیر فطری، غیر قرآنی اور کافرانہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو اس تہذیب نے ترقی کیونکر کر لی؟ جبکہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کے بغیر دنیا میں کہیں بھی ترقی ممکن نہیں۔ انہوں نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ بلاشبہ یہ تہذیب مشرکانہ اور خرابیوں سے بھرپور ہے، لیکن اس کی کامیابی کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بطن البطون میں خالص قرآنی فکر کار فرما ہے، جو انسانی مساوات، انسانی حقوق اور حصول دولت کے یکساں مواقع کے اسلامی اور قرآنی تصورات سے عبارت ہے۔ جناب خالد عباسی نے کہا کہ اس تہذیب کے بھیانک نتائج کی وجہ صرف یہ ہے کہ شیطان نے انسان کو جنسی خواہش کی تکمیل کے ناجائز اور غلط راستوں

پر ڈال دیا ہے۔ انسانیت کو شیطان کے شکنجے سے نکالنے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیا کے کسی ایک خطے پر اسلام کا نظام عدل اجتماعی قائم کیا جائے جو پوری دنیا کے لئے مشعل راہ ہو۔ اس کا اولین تقاضا ایک زبردست علمی تحریک برپا کرنا ہے۔

ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب : خالد محمود عباسی کے خطاب کے بعد ناظم اعلیٰ برائے بیرون پاکستان ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کا خطاب تھا۔ آپ کا موضوع "اسلام کا معاشرتی نظام" تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف فرما رہے تھے کہ اسلام میں معاشرتی نظام کے ضمن میں پہلی چیز مساوات کا تصور ہے لیکن اس میں "عدل" کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ عدل سے مراد محض عدالتی عدل ہی نہیں بلکہ پوری زندگی میں اعتدال و توازن ہے۔ اور یہ توازن باہمی رشتوں میں بھی قائم کیا گیا ہے۔ دیکھئے' والدین کے حقوق کے سلسلہ میں قرآن نے ان سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور بڑھاپے کی عمر میں انہیں اف تک کہنے سے سختی کے ساتھ روکا ہے اور یہ عین تعلیم عدل ہے۔ اس لئے کہ جب بچہ بیمار ہوتا ہے والدین تڑپتے ہیں' وہ اس کی خوراک اور تعلیم و تربیت کا انتظام کرتے ہیں۔ اور اس میں بھی والدہ کا حق زیادہ رکھا گیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کی ولادت میں زیادہ رول اسی کا ہوتا ہے۔ اولاد کے حقوق کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالسمیع نے کہا کہ چونکہ اولاد کی پرورش اور تربیت ہر جاندار کی جبلت میں شامل ہے لہٰذا قرآن میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

شوہر اور بیوی کے مقام و مرتبے پر گفتگو کرتے ہوئے جناب عبدالسمیع صاحب کہہ رہے تھے کہ اگرچہ انسان ہونے کے ناطے دونوں برابر ہیں لیکن جیسے انتظام چلانے کے لئے ہر ادارہ میں ایک مینیجر ہوتا ہے' اسی طرح خاندان کے ادارے کا سربراہ مرد ہوتا ہے' اسی لئے اسے قرآن میں "قوام" کہا گیا ہے۔ اس حیثیت سے اہل خانہ پر اس کی اطاعت لازم ہے۔ لیکن جس طرح ہر اچھا مینیجر اچھی پیداوار تیار کرتا ہے اسی طرح سربراہ خاندان بھی اچھی تربیت کے ذریعے اچھی اولاد کو پروان چڑھاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بدقسمتی سے اہل مغرب نے ہر ادارے میں ڈسپلن کے لئے سربراہ ادارہ کو ضروری قرار دیا ہے لیکن خاندان جیسے اہم ادارے کو اس سے مستثنیٰ رکھا ہے۔

وارث خان صاحب : وارث خان صاحب تنظیم اسلامی پشاور کے امیر ہیں۔ آپ کا

موضوع گفتگو "اسلام کا سیاسی نظام" تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں انفرادیت اور اجتماعیت کے متعلق جامع احکامات دیئے گئے ہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم میں کہا گیا ہے کہ دین کی تکمیل ہو گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بدقسمتی سے کچھ لوگوں نے تصور دین کو محض عبادات، رسومات اور معاملات تک محدود کرلیا ہے اور اسلام کا سیاسی پہلو ان کے ذہنوں میں موجود نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کے صرف جامع اصول دیئے گئے ہیں تفصیلی احکام نہیں۔ موجودہ جمہوریت اور خلافت کا موازنہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جمہوریت میں حاکمیت عوام کی ہوتی ہے جبکہ خلافت میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی تسلیم کی جاتی ہے اور عوام اللہ کے خلیفہ ہیں۔ اس لئے اکیاون فی صد کی اکثریت تو کیا سو فیصد بھی اللہ کے حکم کے خلاف قانون نہیں بنا سکتے۔ نیز یہ نظام شورائی ہوتا ہے۔ جناب وارث خان فرما رہے تھے کہ ہم لوگوں کے سامنے اسلام کے سیاسی نظام کو پیش نہیں کر سکے۔ لہٰذا آج ضرورت اس بات کی ہے کہ نظام خلافت اور اس کی برکات کو عام کیا جائے اور جمہوریت کے تصور کی نفی کی جائے۔

چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب : پروگرام کے آخری مقرر مرکزی ناظم تربیت چوہدری رحمت اللہ بٹر تھے۔ انہوں نے "اخلاص نیت اور اتباع سنت" کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ انسانی اعمال دو چیزوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان میں پہلی چیز ارادہ اور دوسری عمل کا ڈھانچہ ہے۔ دین میں ایمان کا تعلق ارادہ سے اور عمل کا سنت سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ انسان کا اللہ پر ایمان جتنا پختہ ہو گا، اتنا ہی خلوص پیدا ہو گا اور جتنا نبی ﷺ سے لگاؤ اور محبت ہو گی اتنا ہی عمل سنت سے قریب تر ہوتا چلا جائے گا۔ یہ سوال کہ عمل ڈھانچہ کیا ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ عمل کے لئے قالب اور ڈھانچہ سنت نبیؐ ہے اور تمام انبیاء کو بھیجا ہی اس لئے گیا تھا کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ نبی ﷺ کی اطاعت محبت خداوندی کا وسیلہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب ہم سنت رسول کے راستے کو اختیار کرلیں گے تب ہی ہمارا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو گا اور سنت کے راستے کے علاوہ نیا کام بدعت اور گمراہی ہے۔

رحمت اللہ بٹر صاحب کے خطاب کے بعد نائب امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر

عبدالخالق کو "پاکستان کی مروجہ سیاست اور تنظیم اسلامی" کے حوالے سے خطاب کرنا تھا' لیکن ایک بج چکا تھا' اس لئے ان کے خطاب کو منسوخ کرنا پڑا۔ پروگرام کے اختتام پر نماز ظہر ادا کی گئی اور اس کے بعد رفقاء نے لیاقت باغ میں طعام گاہ میں کھانا کھایا۔ اس کے بعد عصر تک وقفہ تھا۔

عصر سے مغرب کے درمیان کا وقت بیرون ملک سے آئے ہوئے رفقاء کے تعارف کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔

خلافت کانفرنس کا تیسرا اجلاس

نماز مغرب کے بعد احیاء خلافت کانفرنس کا تیسرا اجلاس لیاقت ہال کے باہر پختہ فرش پر منعقد ہوا جہاں گزشتہ روز نماز جمعہ ادا کی گئی تھی۔ اس جگہ پر شامیانے لگا کر اب اسے باقاعدہ اجتماع گاہ کی صورت دے دی گئی تھی۔ یہ اجلاس امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطاب پر مشتمل تھا۔ اپنے اصل موضوع پر گفتگو سے قبل محترم ڈاکٹر صاحب نے گزشتہ روز کے خطاب جمعہ سے متعلق بعض تشنہ امور کی وضاحت فرمائی اور پھر گزشتہ رات خلافت کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں ہونے والے مختلف مقررین کے خطابات کے حوالے سے کچھ گفتگو کی اور مقررین حضرات کے بعض خیالات سے اپنے اختلاف کو واضح کیا۔ بعد ازاں محترم ڈاکٹر صاحب نے آج کے موضوع "نظام خلافت کے قیام کا مسنون طریق کار" پر مفصل گفتگو فرمائی۔۔۔ (محترم ڈاکٹر صاحب کے اس خطاب کی قدرے مفصل رپورٹنگ ندائے خلافت کے حالیہ شمارے میں ملاحظہ فرمائی جائے) آج کے اجلاس کے صدر مجلس امیر تنظیم اسلامی آزاد کشمیر مولانا مظفر حسین ندوی تھے' جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کے خطاب کے بعد صدارتی خطاب فرمایا۔

سالانہ اجتماع کا تیسرا روز

اتوار ۶ اکتوبر کی صبح نماز فجر لیاقت باغ میں اجتماع گاہ میں ادا کی گئی۔ نماز کی امامت امیر محترم نے خود فرمائی۔ نماز کے بعد تجمل حسن میر صاحب نے درس قرآن دیا۔ اس کے

بعد ناشتہ وغیرہ کے لئے وقفہ تھا۔

ساڑھے نو بجے خلافت کانفرنس کا چوتھا اجلاس شروع ہوا جس کی حیثیت سوال و جواب کی نشست کی تھی۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے حاضرین کی طرف سے پوچھے گئے سوالات کے مفصل جواب ارشاد فرمائے۔

اختتامی خطاب امیر محترم

سالانہ اجتماع کے جملہ پروگراموں کے خاتمے پر امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کا اختتامی خطاب تھا' جو ساڑھے گیارہ بجے شروع ہوا۔ امیر محترم فرما رہے تھے کہ اگرچہ بارش کی وجہ سے انتظامات میں کافی خلل پڑا ہے لیکن اس پر پریشان نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اتنی مشکلات کے باوجود ہمارا یہ پروگرام پایہ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔ یہ خاص اللہ کا فضل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ اگرچہ میری جسمانی صحت جواب دے رہی ہے لیکن میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک ذہنی صلاحیت موجود ہے کام جاری رکھوں گا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں اختتامی خطاب میں اپنے رفقاء کو قرآنی آیات کے تحفے دیا کرتا ہوں' آج بھی مجھے چار تحفے دینے ہیں۔

پہلی چیز سورۃ المائدہ کی آیت ۱۰۵ (یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ ' لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ) کے حوالے سے یہ ہے کہ انسان پر اصل ذمہ داری اپنی ذات کی ہے۔ دوسروں کو ہدایت پر لے آنا ہمارا فریضہ نہیں' البتہ دوسروں کو دین کی راہنمائی کے ضمن میں تن من دھن لگا دینا ہم پر فرض ہے۔ لہٰذا اس سعی وجہد اور انفاق مال میں کمی نہیں ہونی چاہئے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اس کام کے حوالے سے شیطان انسان کو دھوکہ دیتا ہے کہ مجھ میں صلاحیت کم ہے' حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو بہت صلاحیت دے رکھی ہے لیکن وہ اسے دین کی بجائے دنیا کے لئے استعمال کرتا ہے۔ دنیا میں انسان نفسا نفسی اور خود غرضی کا مظاہرہ کرتے ہیں' لیکن اس "خود غرضی" کا ظہور دین کے معاملے میں اس طرح ہونا چاہئے کہ انسان کہے کہ کم از کم "میں" آخرت میں کامیاب ہو جاؤں۔

ڈاکٹر اسرار احمد فرما رہے تھے کہ دوسری چیز سورۃ التحریم کی آیت "قُوا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيكُمْ نَارًا" کے حوالے سے ہم پر اپنے اہل خانہ، اولاد، باپ، بھائی وغیرہ کی ذمہ داری ہے۔ اگر ہم خلوص کے ساتھ دین پر عمل پیرا ہیں تو ممکن ہی نہیں کہ ہم ان کے لئے بھی بھلائی نہ چاہیں۔ اس لئے کہ آگ میں اگر حرارت ہے تو محسوس ہو جائے گی اور اگر حرارت نہیں ہے تو وہ آگ نہیں بلکہ محض آگ کی صورت ہے۔ اسی بات کو منفی اسلوب سے واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر کوششوں کے باوجود اہل خانہ سیدھے راستے پر نہ آئیں تو ان سے کٹ جانا ضروری ہے، لیکن اس کا مطلب گالم گلوچ نہیں بلکہ ایسا طرز عمل اختیار کرنا ہے جس سے انہیں معلوم ہو جائے کہ ہمارے دل میں ان کی محبت نہیں ہے۔ ورنہ اگر غلط طور اطوار کے باوجود ان سے ہماری محبتیں قائم رہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے دل میں اللہ کی حمیت نہیں ہے یا اہل خانہ کی محبت اللہ سے زیادہ ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بنی اسرائیل کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے علماء لوگوں کو برائیوں سے روکا تو کرتے تھے لیکن جب لوگ باز نہیں آتے تھے تب بھی وہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا جاری رکھتے تھے، نتیجتاً ان کا طرز عمل بھی انہی کی طرح ہو جاتا۔ اب وہ اللہ سے دعائیں کرتے لیکن دعائیں قبول نہیں ہوتی تھیں۔ اگر ہمارا بھی یہی طرز عمل رہا تو ہم بھی دوسرے لوگوں کے رنگ میں رنگتے چلے جائیں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اسی طرح کفر کے نظام کا ساتھی بننا اور اس کی نوکری کرنا بھی اللہ سے دشمنی ہے۔ اس کی رعایت ضرور رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص اس احساس کے تحت جیسے ایک مضطر کے لئے خنزیر کھانا جائز ہے، نوکری کرتا ہے تو صحیح ہے، لیکن اس رزق اور کمائی کو "حَلالاً طیبًا" سمجھتے ہوئے ساری توانائیاں اسی میں کھپا دینا کسی طور صحیح نہیں ہے۔

امیر تنظیم فرما رہے تھے کہ تیسری چیز یہ ہے کہ اللہ نے جو ہدایت دی ہے، اس پونجی کے کھو جانے کا خطرہ ہر وقت دامن گیر رہتا ہے۔ والدین، اہل خانہ اور دوست احباب بڑی "خیر خواہی" سے انسان کو دین سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا اسے مضبوطی

(باقی صفحہ ۸۸ پر)

امیر تنظیم اسلامی کا

چھ روزہ دورۂ ایران

(۱۶/ تا ۲۳/ اکتوبر ۹۶ء)

—— از قلم : ڈاکٹر عبدالخالق ——

گزشتہ سال (۱۹۹۵ء) نومبر میں جماعت اسلامی کے سالانہ اجتماع میں شرکت کی خاطر آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی (رئیس المجمع العالمی للتقریب بین المذاهب الاسلامیہ) جب پاکستان تشریف لائے تو امیر تنظیم اسلامی و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور محترم ڈاکٹر اسرار احمد سے ملاقات کے لئے قرآن اکیڈمی بھی تشریف لائے۔ امیر محترم نے انہیں دعوت دی کہ وہ قرآن کالج میں طلبہ سے خطاب فرمائیں۔ اپنے اس خطاب میں انہوں نے جو باتیں فرمائیں وہ کافی حد امیر محترم کی ان باتوں سے مماثلت رکھتی تھیں جو وہ شیعہ سنی مفاہمت کی ٹھوس اور مؤثر اساس کے حوالے سے قبل ازیں بیان فرما چکے تھے۔ چنانچہ ع "متفق گردید رائے بوعلی با رائے من" کے مصداق امیر محترم کی ان سے ذاتی دلچسپی قدرتی امر تھا۔ دوسری جانب جناب آیت اللہ واعظ زادہ بھی اس دلچسپی کو محسوس کر رہے تھے لہٰذا یہی دراصل امیر محترم کے موجودہ دورۂ ایران کا اصل سبب بنا۔ ورنہ تو اس سے قبل بھی متعدد بار مختلف فنکشن یا سیمیناروں میں شرکت کے حوالے سے دورۂ ایران کی دعوت مل چکی تھی، لیکن امیر محترم نے ہر بار یہی فرمایا کہ میں اس قسم کی محافل کا آدمی نہیں ہوں، مجھے تو آپ کبھی شخصی اور انفرادی حیثیت سے انقلاب ایران کے بعد کے "ایران" کو دیکھنے کی دعوت دیں گے تو جاؤں گا۔

چنانچہ اسی قسم کی دعوت پر ایک ہفتہ کا یہ دورہ طے ہوا۔ امیر محترم کے ہمراہ ہم تین افراد تھے۔ راقم الحروف، ڈاکٹر نجیب الرحمن جو تنظیم اسلامی کے دیرینہ رفیق ہیں اور آجکل اگرچہ ملائشیا میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں لیکن ۱۳ سال تک ایران میں رہے ہیں۔ انہوں نے قبل از انقلاب اور بعد از انقلاب کے ایران کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، فارسی میں بے

مکلف [illegible] ہیں۔ ابھی دو روز قبل ہی ملائشیا سے پاکستان چھٹی گزارنے آئے تھے کہ امیر محترم کے [illegible] پر ہمارے ساتھ ہو لئے۔ تیسرے ہم سفر عزیزم رشید ارشد (جناب اقتدار احمد مرحوم [illegible] سب سے چھوٹے بیٹے) تھے' جو اپنے ذاتی خرچ پر اس مختصر قافلے میں شریک ہوئے تھے۔

۱۶/اکتوبر کو چار افراد کا یہ قافلہ کراچی سے ایرانی ایئرلائن کی فلائٹ سے مقامی وقت کے مطابق ۵ بجے شام روانہ ہوا۔ کسی بھی ملک کی ثقافت کو سمجھنے کے لئے اس ملک کی ایئرلائن کا سفر ابتدائی تعارف کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایرانی ایئرلائن میں عورتوں کو سکارف اوڑھنے کی ترغیب دلائی جاتی ہے اور اس کی "میزبان خواتین" (ایئر ہوسٹس) ان کے تصورات کے مطابق حجاب میں ہوتی ہیں' جس میں چہرے کی ٹکیہ اور ہاتھ کے علاوہ جسم پوری طرح سے ڈھکا ہوتا ہے اور وہ ایئر ہوسٹس کی بجائے "راہبائیں" نظر آتی ہیں۔ تین گھنٹے کی فلائٹ کے بعد ایران کے مقامی وقت کے مطابق (جو پاکستان کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ پیچھے ہے) ساڑھے چھ بجے ہم تہران کے مہر آباد ایئرپورٹ پر اتر گئے' جہاں ہوائی جہاز کی سیڑھیوں ہی پر عبدالحمید طالبی استقبال کے لئے موجود تھے۔ یہ نوجوان اس ادارے میں ملازم ہیں جس نے ہمیں مدعو کیا تھا۔ ایران میں ہماری مصروفیات کا پروگرام انہی کے حوالے تھا۔ ہمیں V.I.P. لاؤنج لے جایا گیا جہاں دو مزید افراد ابوالقاسم اور حجتہ الاسلام غفاری استقبال کے لئے موجود تھے۔ سامان کی وصولی میں کافی وقت لگ گیا' محسوس ہوا کہ اس لحاظ سے ایرانی ایئرلائن بھی پاکستانی ایئرلائن جیسی ہی ہے۔ سامان کے انتظار کے دوران غفاری صاحب سے گفتگو جاری رہی۔ موصوف خاصی انگریزی بول لیتے ہیں اور اس سے قبل بعض ممالک میں سفیر کے عہدہ پر بھی فائز رہے ہیں (ایران میں علماء فارسی اور عربی پر تو کافی دسترس رکھتے ہیں لیکن انگریزی شاذ ہی کوئی سمجھ یا بول سکتا ہے) امیر محترم نے ان کے سامنے اپنے دورۂ ایران کا پس منظر بیان کیا' نیز بین الاقوامی حالات کے تناظر میں شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت اور اس کے لئے ٹھوس اور موثر اساس پر اپنا موقف بیان کیا۔ امیر محترم اگرچہ کافی تھک چکے تھے لیکن سامان کی آمد کا انتظار ایک مجبوری تھا۔ خدا خدا کر کے ائیرپورٹ سے روانہ ہوئے اور قریباً پینتالیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد ہوٹل آزادی پہنچے جس کی کل چھتیس منزلوں میں سے انیسویں منزل پر ہمیں ایک ہفتہ رہنا تھا۔ ہم تو ذہنًا اس کے لئے بھی تیار تھے کہ ایک ہی کمرے میں گزارہ کر لیں لیکن یہ ہمارے میزبانوں کو گوارا نہ ہوا اور انہوں نے امیر محترم کو ایک بڑا کمرہ علیحدہ دیا۔ البتہ باوجود مطالبے کے ہمیں ہماری مصروفیات کے بارے میں

کوئی ٹائم ٹیبل نہیں دیا گیا' صرف اتنا بتایا گیا کہ صبح ساڑھے آٹھ بجے تیار رہئے گا۔

۱۷/ اکتوبر صبح ۹ بجے آیت اللہ تسخیری صاحب سے ملاقات تھی۔ موصوف رئیس ثقافت و علاقات اسلامیہ ہیں۔ اور ہمارا میزبان ادارہ "المجمع العالمی للتقریب بین المذاهب الاسلامیہ" انہی کے ماتحت کام کرتا ہے۔ ان سے یہ ملاقات کوئی پون گھنٹے تک جاری رہی۔ جناب آیت اللہ نے فارسی زبان میں گفتگو کی جس کے اکثر مفہوم کو امیر محترم نے سمجھ لیا اور پھر اپنی گفتگو میں جو انگریزی زبان میں ہوئی اس کا جواب دیا۔ آیت اللہ تسخیری بہت ہی خندہ پیشانی سے ملے۔ موصوف کے چہرے پر ہروقت مسکراہٹ رہتی ہے جس نے ان کی شخصیت کو بہت دل آویز بنا رکھا ہے۔ امیر محترم نے یہاں بھی شیعہ سنی مفاہمت کے حوالے سے اپنی تجاویز کا اعادہ کیا۔ آیت اللہ تسخیری نے انقلاب ایران کا ایک واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ ایرانی فوجیوں کو انقلابیوں کا ایک ایک ہجوم منتشر کرنے کے لئے ٹینک دے کر روانہ کیا گیا۔ جب شاہ کے ٹینک جلوس کے قریب پہنچے تو مظاہرین کے رہنما نے لوگوں کو اللہ کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اب سپاہی ٹینک چھوڑ کر کھڑے ہو گئے کہ اس صورت حال میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ (نیشنل آرمی اپنے عوام پر ناروا ظلم نہیں کر سکتی۔ گویا یہ واقعہ اس کا ثبوت تھا)۔ جناب آیت اللہ تسخیری نے ایک قرآنی آیت کا خوبصورت فریم امیر محترم کو ہدیتاً پیش کیا۔ جواباً امیر محترم نے انہیں اپنی انگریزی و فارسی کتب کا سیٹ ہدیہ کیا۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہمیں "مرکز دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی" لے جایا گیا۔ اس ادارے کے تحت اسلامی انسائیکلو پیڈیا کی تیاری کا کام جاری ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔ ۳۰۰ سکالر اس کام کو سرانجام دے رہے ہیں۔ اب تک اس کی ۱۹ جلدیں چھپ چکی ہیں' ساتھ ساتھ اس کا عربی ترجمہ بھی ہو رہا ہے جس کی چھ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ عربی زبان کی پہلی دو جلدیں امیر محترم کو ہدیتاً پیش کی گئیں۔ اس ادارے کی اپنی لائبریری ہے جس میں ۳۵ ہزار کتابیں موجود ہیں۔ اس ادارے کے سربراہ ڈاکٹر بجنوردی ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنے ادارے کا تفصیلی تعارف کروایا۔ اس ادارے کے تحت ہر سال ایک جلد ۷۶۰ صفحات پر مشتمل انسائیکلو پیڈیا کی تیار ہو رہی ہے۔

امیر محترم نے اس انسائیکلو پیڈیا کے اردو زبان میں ترجمہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ پوری دنیا کی ۱۲۰ کروڑ مسلمان آبادی میں سے ۴۰ کروڑ کے قریب آبادی برعظیم پاک و ہند میں بستی ہے جو تقریباً سب کی سب اردو زبان سمجھتی ہے' للذا اس انسائیکلو پیڈیا کا اردو ترجمہ

بہت مفید رہے گا اور بڑی تعداد میں مسلمان اس سے استفادہ کر سکیں گے۔ ڈاکٹر موصوف نے بتایا کہ ایرانی حکومت نے فلسطین کے بارے میں ایک خصوصی انسائیکلوپیڈیا ترتیب دینے کا منصوبہ بنایا ہے۔

ڈاکٹر بجنوردی بہت اہم شخصیت ہیں۔ ان کے والد آیت اللہ عضروی "مرجع" تھے۔ ڈاکٹر موصوف خود سیاسی شخصیت رہے ہیں۔ شاہ کے زمانے میں انہوں نے ۱۴ سال قید میں گزارے۔ یہ ملایی اسلامی پارٹی کے صدر تھے۔ اس پارٹی کے کئی رہنما موجودہ حکومت میں وزیر ہیں۔ انقلاب ایران کے بعد ڈاکٹر موصوف اصفہان کے گورنر رہے۔ انہیں وزیر اعظم بھی نامزد کیا گیا لیکن انہوں نے اپنی خدمات اس ادارے کے لئے وقف کر دیں اور تحقیقی کام کو ترجیح دی۔

ظہر کے وقت ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ امیر محترم نے ہوٹل میں آرام کیا، لیکن ہمارا ارادہ تھا کہ ہم اپنے طور پر بھی کچھ گھومیں پھریں تا کہ کچھ معلومات آزادانہ طور پر بھی حاصل ہوں، لیکن مجبوری یہ تھی کہ ہمیں جس ہوٹل میں ٹھہرایا گیا تھا وہ مرکز شہر سے ۱۵ کلو میٹر دور تھا اور کوئی براہ راست پبلک ٹرانسپورٹ بھی ادھر نہیں آتی تھی۔ چنانچہ سرکاری انتظام میں ہی سہ پہر ہم نے شہر کا چکر لگایا۔ تہران شہر خوب صاف ستھرا ہے۔ فٹ پاتھ واقعتاً پیدل چلنے والوں کے لئے ہی استعمال ہوتے ہیں۔ شہر میں خوب چہل پہل تھی۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعداد قریباً برابر ہی کی ہوتی ہے "گویا عورت مرد کے شانہ بشانہ کام کرتی ہے لیکن "حجاب" میں (ایرانی تصور کے مطابق)۔ کسی بھی عورت کو ہم نے حجاب کے بغیر نہیں دیکھا۔ انقلاب کے بعد معاشرتی سطح پر یہ تبدیلی بہت نمایاں ہے، البتہ معاشی سطح پر کوئی بڑی تبدیلی نہیں آسکی۔ مہنگائی بہت زیادہ ہے اور عوام الناس اس سے خاصے پریشان ہیں۔ گویا اگر یوں کہا جائے کہ انقلاب کے بعد، ان کے اسلامی تصورات کے مطابق ہی سہی، یہ کہا جا سکتا ہے کہ کچھ پابندیاں تو لگ گئی ہیں لیکن لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہونے کی بجائے دگرگوں ہو گئی ہے۔ اگرچہ اس معاشی ابتری کا بڑا سبب آٹھ سالہ ایران عراق جنگ کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ بہرحال کچھ بھی ہو عوام کو بنیادی ضروریات کی بہ سہولت فراہمی حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس سے لمبے عرصے تک صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے ہی اسباب Counter Revolution کا باعث بن جایا کرتے ہیں، اگرچہ، بحمد اللہ، اس کے کم از کم فی الحال ایران میں کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

ہم نے کچھ خریداری بھی کی۔ رقم کا حساب کرنا نسبتاً آسان تھا، ایک روپے کے ۱۰ تمن

اور ۱۰ تمن کے ۱۰۰ ریال گویا ۱۰۰ روپے کے مساوی ادائیگی کے لئے دس ہزار ریال ادا کرنے پڑتے۔ روپوں کے ریال حاصل کر کے جیب ایک دفعہ تو خوب بھاری ہو جاتی لیکن پھر ہلکی بھی اسی سرعت سے ہوتی۔ ایک عام سوئیٹر کی قیمت قریباً چالیس ہزار ریال ہے۔

۱۸/اکتوبر ہمیں انقلاب ایران کے رہنما آیت اللہ خمینی کے مقبرے پر لے جایا گیا۔ یہ تہران سے قریباً ۱۵ کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ عمارت باہر سے بہت خوبصورت لیکن اندر سے سادہ ہے' شاید اس لئے کہ ابھی زیر تعمیر ہے۔ مقبرے کے ساتھ ایک بہت بڑا کمپلکس بنایا گیا ہے جس میں ایک دانش گاہ (یونیورسٹی) اور ایک لائبریری بنانے کا منصوبہ ہے۔ اگرچہ تعطیل کا روز تھا لیکن لوگوں کی کوئی بڑی تعداد ہم نے وہاں نہیں پائی۔ لوگ قبر کے پاس جا کر دعائیہ کلمات ادا کرتے۔ بظاہر کسی قسم کی شرکیہ حرکات بھی ہم نے نہیں دیکھیں۔ مقبرے کے باہر ایک بہت بڑے سائن بورڈ کے دو اطراف مرحوم آیت اللہ خمینی کے یہ اقوال درج تھے :

"ماتا آخرین نفس تاآخرین منزل و آخرین قطره خون برای اعلاء کلمة اللهایستادهایم"۔ "من درمیان شما باشم یانباشم به همه شما وصیت و سفارش میکنم که نگذارید انقلاب بدست نا اهلان و نامحرامان بفید"۔ یعنی: "ہم اپنے آخری سانس' آخری منزل' اور آخری قطرۂ خون تک اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لئے کھڑے رہیں گے!" اور "میں تمہارے درمیان موجود رہوں یا نہ رہوں لیکن سب کو وصیت اور تاکید کرتا ہوں کہ انقلاب کو نااہل اور ناواقف لوگوں کے حوالے نہ کر دینا!"

آج جمعہ کا روز تھا۔ پورے تہران میں صرف ایک جگہ یونیورسٹی گراؤنڈ آزادی چوک میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ جس میں وہاں کے لوگوں کے قول کے مطابق تو ۱۰ لاکھ کے قریب افراد نماز جمعہ ادا کرتے ہیں جو وسیع گراؤنڈ کے علاوہ آس پاس کی سڑکوں اور گلیوں میں بھی پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ ویسے گراؤنڈ میں بھی جہاں تک نگاہ جا سکتی تھی کم از کم ڈیڑھ دو لاکھ انسان تو نظر آ ہی رہے تھے۔ خطیب ایرانی حکومت کا کوئی اہم نمائندہ ہوتا ہے۔ آج کے خطیب چیف جسٹس آیت اللہ یزدی تھے۔

ہمارے اس دورے کے دوران آیت اللہ واعظ زادہ کے پرسنل سیکرٹری حجتہ الاسلام میر آقائی مسلسل ہمارے ساتھ رہے۔ موصوف بہت خوش اخلاق پختہ عالم دین ہیں' قم سے فارغ التحصیل ہیں' انگریزی بول اور سمجھ لیتے ہیں۔ ان سے ہمیں بہت مفید معلومات حاصل ہوئیں۔

علماء کے مابین درجہ بندی کا کیا معیار ہے۔ ۴ سال کی مذہبی تعلیم کے بعد ایک شخص ثقۃ الاسلام کہلاتا ہے۔ ۱۰ سال کے بعد یہ شخص حجۃ الاسلام کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ ۱۵ تا ۲۰ سال اور کوئی اہم علمی کارنامہ سرانجام دینے کے بعد آیت اللہ مجتہد کا درجہ ہوتا ہے۔ سب اونچا درجہ آیت اللہ العظمیٰ کا ہے جو مرجع بھی کہلاتے ہیں۔ اس وقت ایران میں کل ۱۰ مرجع ہیں۔ اس درجہ بندی کو "قم" کے علماء کا ایک بورڈ طے کرتا ہے۔

۱۹/۱ اکتوبر صبح ۸ بجے ہم "قم" کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ تہران سے قریباً ۱۶۰ کلومیٹر دور ہے۔ قم جو ایران کا سب سے بڑا مذہبی علمی مرکز ہے' یہاں نسبتاً چھوٹے علمی مدارس تو بہت ہیں لیکن دو اہم اور بڑے علمی مراکز حوضہ علمیہ اور فیضیہ ہیں۔ ہم نے ان دونوں مراکز کو دیکھا۔ قم شہر میں خوب چہل پہل دیکھی۔ خیال تھا کہ یہاں صرف علماء اور طلبہ ہی ہوں گے لیکن اس شہر میں عوام الناس کی بھی خوب آبادی ہے۔ یہاں پر ایک پبلک لائبریری نے کافی متاثر کیا اور بڑی بات یہ ہے یہ لائبریری شخص واحد کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ یہ لائبریری ۱۹۶۸ء میں قائم کی گئی تھی۔ آیت اللہ العظمیٰ المرعشی نجفی نے ذاتی دلچسپی اور محنت سے ایک لائبریری کو علم کے متلاشی افراد کا مرجع بنا دیا ہے۔ اس وقت ان کے بیٹے السید محمود المرعشی ان کے اس مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں لائبریری کے اہم شعبے دکھلائے۔ سب سے اہم شعبہ قلمی نسخوں کا ہے جس میں ۲۶۳۰۰ مخطوطات ہیں۔ نادر مخطوطات کو دیکھنے کا موقع ملا۔ ایک پانچ انچ چوڑی اور قریباً ایک میٹر لمبی پٹی پر مکمل قرآن مجید ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا۔ لاطینی زبان میں ایک کتاب چمڑے پر لکھی ہوئی یہاں موجود ہے۔ ان کتابوں کو خراب ہونے سے بچانے کا مکمل جدید نظام یہاں موجود ہے۔ کتابوں کی مائیکرو فلمز بنانے کا شعبہ بھی موجود ہے' جس میں تمام جدید سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ ایک پورا شعبہ انسائیکلوپیڈیا کا ہے جس میں دنیا کی تمام زبانوں (سوائے اردو کے) میں انسائیکلوپیڈیا موجود ہیں۔ ایک دارالمطالعہ بھی ہے جہاں بیٹھ کر علم کے پیاسے اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ روزانہ ۱۲۰۰ افراد اس لائبریری سے استفادہ کرتے ہیں۔ ہفتے میں دو دن صرف خواتین کے لئے مخصوص ہیں۔

ادارہ "المجمع العالمی للتقریب بین المذاهب الاسلامیہ" کی قم برانچ جانا ہوا۔ اس کے انچارج محمد مہدی نجف ہیں۔ بہت ہی خوش اخلاق آدمی ہیں۔ یہاں پر قم کے علماء سے ملاقات کا پروگرام تھا۔ پانچ علماء تشریف لائے جو سب کے سب آیت اللہ کے منصب پر فائز اور اپنے اپنے فیلڈ کے ماہر تھے۔ آیت اللہ معرفتی' آیت اللہ جنّاتی' آیت اللہ

ربانی وغیرھم۔ اس محفل میں خالص علمی موضوعات زیر بحث رہے۔ قرآن میں مذکور یاجوج ماجوج کے بارے میں رائے دی گئی کہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ واقعہ گزر چکا ہے۔ ذوالقرنین کے حوالے سے بتایا گیا کہ ہم مولانا ابوالکلام آزاد کی تحقیق کو صحیح سمجھتے ہیں۔ چہرے کے پردے کے حوالے سے بھی گفتگو ہوئی۔ نیز موجودہ بین الاقوامی صورت حال یہود کے کردار اور حزب الشیطان کے کردار اور اس کی چالوں پر گفتگو ہوئی۔ احادیث میں وارد فتنہ دجال اور الملحمۃ العظمٰی پر امیر محترم نے اپنی رائے پیش کی۔ تمام علماء نے بڑی دلچسپی سے امیر محترم کی گفتگو سنی۔ محسوس ہوا کہ شاید پہلی مرتبہ ان کے سامنے یہ ساری باتیں آ رہی ہیں۔ قیامت کے بارے میں ایک عالم دین کا خیال تو یہ تھا کہ یہ ابھی کافی دور کی بات ہے اور یہ کہ جب تک انسان تمام کائنات (Forces of nature) پر قابو یافتہ نہیں ہو جاتا قیامت نہیں آئے گی۔ توجیہہ اس کی یہ بیان کی گئی کہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے اور نائب کے پاس بھی اصل مالک کے اختیارات کا ہونا ضروری ہے۔ اس پر امیر محترم نے برجستہ کہا کہ ایسا شخص تو "دجال" ہو گا۔ جس پر ایک قہقہہ لگا۔ امیر محترم نے اپنی شیعہ سنی مفاہمت والی تجویز یہاں بھی دہرائی۔ اس پر تمام حضرات نے خاموشی اختیار کی اور مثبت یا منفی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔

۲۰/ اکتوبر کے روز ہمیں تہران کی دو یونیورسٹیوں میں لے جایا گیا۔ یونیورسٹی کو دانش گاہ کہا جاتا ہے۔ دانش گاہ امام صادقؒ اصل میں پوسٹ گریجویٹ یونیورسٹی ہے اور صرف لڑکوں کے لئے مخصوص ہے۔ اس دانش گاہ میں ۸۰۰ طلبہ اور ۸ فیکلٹیز ہیں۔ رئیس دانش گاہ آیت اللہ مہدوی ہیں موصوف قبل ازیں وزیراعظم و وزیر داخلہ بھی رہ چکے ہیں۔ ان کے معاون حجتہ الاسلام سید احمد علم الہدیٰ ہیں۔ ان سے خاصی طویل گفتگو رہی۔ یونیورسٹی کا تعارف کرواتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس یونیورسٹی میں علوم اسلامی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے' چنانچہ یہاں مختلف فیکلٹیز کے نام کچھ یوں ہے: علوم اسلامی و سیاسیات' علوم اسلامی و اقتصادیات' علوم اسلامی و تاریخ' وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ امیر محترم نے فرمایا کہ ایسی ہی ایک یونیورسٹی کا قیام ان کا ایک خواب تھا جو انہوں نے ۱۹۶۸ء میں دیکھا تھا' جس کی ایک جھلک انہیں یہاں نظر آئی ہے۔ ان کا اشارہ اس قرآن یونیورسٹی کی جانب تھا جس کا نقشہ انہوں نے اپنے کتابچے "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" میں پیش کیا ہے' یعنی ایک ایسی یونیورسٹی ہو جس میں قرآن کو مرکزی حیثیت حاصل ہو اور اس کے ساتھ ساتھ جدید علوم کے شعبہ جات ہوں۔ امام صادق یونیورسٹی کا تعلیمی معیار خاصا بلند ہے۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ پاکستان سے بھی کچھ

طلبہ نے اس یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا لیکن اس کے سخت تعلیمی ڈسپلن کی وجہ سے وہ یہاں چل نہیں سکے۔

نماز ظہر ہم نے اس یونیورسٹی کے Paryer Hall میں ادا کی۔ نماز ظہر کے بعد امیر محترم کو ۱۵ منٹ اظہار خیال کا موقع دیا گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امیر محترم نے دو احادیث کے حوالے سے گفتگو کی۔ حضرت نعمان ابن بشیرؓ سے مروی حدیث : "تکون النبوۃ فیکم ماشاء اللہ ان تکون........." اور حضرت ثوبانؓ سے مروی حدیث "ان اللہ زوی لی الارض............."۔ امیر محترم کی گفتگو انگریزی زبان میں تھی جس کو اگرچہ پوری طرح تو بہت کم حضرات ہی سمجھ سکے، تاہم ان کے تاثرات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اصل مضمون سب کی سمجھ میں آ رہا ہے۔ ایران میں فارسی زبان کے بعد سب سے زیادہ سمجھی جانے والی زبان عربی ہے۔ خصوصاً علماء فارسی کے علاوہ اکثر و بیشتر صرف عربی جانتے ہیں اور اس پر خوب دسترس رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس دانش گاہ کے تمام طلبہ عربی سمجھ اور بول سکتے ہیں۔ بعد میں یونیورسٹی کے ایک استاد نے کہا بھی کہ کاش آپ عربی زبان میں گفتگو کرتے تو بہت اچھا ہوتا۔ بہرحال بعد میں بہت سے حضرات نے امیر محترم کی گفتگو کی تحسین کی۔ چند ایک طلبہ کو فارسی زبان میں "قرآن مجید کے حقوق" بھی پیش کئے گئے۔ اپنی اس گفتگو کے حوالے سے امیر محترم نے فرمایا کہ ہم نے یہاں بھی "اذانِ خلافت" دے دی ہے۔ امیر محترم کا یہ خطاب ظہر اور عصر کی نمازوں کے مابین ہوا جو اہل تشیع کے یہاں "ظہرین" کے نام کے ساتھ ہی ادا کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ۱۵ منٹ کا یہ خطاب نماز ظہر کے بعد شروع ہوا اور عصر سے قبل ختم ہو گیا۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہم دانش گاہ الزہراءؓ پہنچے۔ یہ یونیورسٹی صرف طالبات کے لئے ہے۔ البتہ اساتذہ میں مرد حضرات بھی ہیں۔ ڈاکٹر عبدالکریم شیرازی نے ہمارا استقبال کیا۔ یہاں ہمارے لئے ایک استقبالیہ بینر بھی لگایا گیا تھا۔ ڈاکٹر شیرازی Head of Theology Deptt. ہیں۔

امیر محترم نے خواتین کے لئے علیحدہ یونیورسٹی کے قیام پر انہیں مبارکباد پیش کی۔ پاکستان میں لڑکیوں کے لئے علیحدہ یونیورسٹی کا قیام اہل پاکستان کا ایک دیرینہ مطالبہ ہے، کئی مرتبہ اس کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔ ضیاء الحق مرحوم نے بھی اس کا عزم کیا تھا لیکن افسوس کہ تاحال یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ الزہراء یونیورسٹی میں .B.A.,B.Sc اور .M.A.,M.Sc کے علاوہ کچھ مضامین میں .Ph.D بھی کروائی جاتی ہے۔ بتایا گیا کہ اس وقت ۵۰۰۰ کے قریب طالبات یہاں

زیر تعلیم ہیں، جن سے کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ ہوسٹل میں رہائش کا بھی کوئی خرچہ نہیں لیا جاتا۔ صرف طعام کا خرچہ لیا جاتا ہے اور وہ بھی subsidised ہے۔ کل وقتی ۲۵۰ اساتذہ میں سے ۱۵۰ خواتین ہیں۔ اس کے علاوہ ۳۰۰ اساتذہ جز وقتی یعنی visiting professors ہیں۔ یونیورسٹی کے اندر بھی تمام طالبات ایرانی حجاب میں تھیں۔ ہمیں کانفرنس روم میں بٹھایا گیا۔ تھوڑی دیر میں وائس چانسلر جناب ڈاکٹر کومیان بھی تشریف لے آئے۔ دوپہر کے کھانے کا انتظام یہیں تھا۔ کھانے کے دوران اس یونیورسٹی کے بارے میں معلومات کے علاوہ مزید موضوعات پر بھی گفتگو جاری رہی۔ انقلاب کے بعد ایران کے معاشی نظام کے حوالے سے ڈاکٹر موصوف نے تسلیم کیا کہ ہم معاشی نظام میں اسلام کے حوالے سے کوئی بڑی تبدیلی نہیں لا سکے۔ وائس چانسلر نے کہا کہ ہم اس کے لئے کوشاں ہیں۔

امیر محترم نے فرمایا کہ شیعہ سنی کے مابین بعد کو دور کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ جو شیعوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لئے الاٹ کر لیا ہے اور سنیوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو، تو اگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت کو اجاگر کریں کہ وہ حضرت فاطمہؓ کی والدہ بھی تھیں اور بالاتفاق "الصدیقہ الکبریٰ" بھی، اور اسلام قبول کرنے میں بھی اول تھیں، جنہوں نے اپنا سارا سرمایہ بھی حضورؐ کے قدموں میں نچھاور کر دیا اور اس وقت حضورؐ کی انتہائی دلجوئی فرمائی جب خود حضورؐ پر اس نئے اور انوکھے تجربہ (وحی الٰہی کے نزول) کی وجہ سے گھبراہٹ کے آثار تھے۔ چنانچہ دونوں حلقوں کی جانب سے ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی شخصیت کو اجاگر کیا جائے تو تفرقہ کی موجودہ فضا کو ختم کرنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ حاضرین نے امیر محترم کی اس رائے سے اتفاق کیا۔

سہ پہر ۴ بجے پاکستانی سفارت خانہ جانا ہوا۔ انفرمیشن سیکرٹری جنرل جناب فضل الرحمٰن صاحب نے استقبال کیا۔ پاکستانی سفیر جناب خالد محمود صاحب سے ایران میں موجود پاکستانیوں کے مسائل پر بھی گفتگو ہوئی۔ تہران میں پاکستانی سکول کرایہ کی ایک عمارت میں ہے جو کافی شکستہ بھی ہے۔ یہاں پر موجود پاکستانی سکول کے لئے نئی اور وسیع تر عمارت خریدنا چاہتے ہیں لیکن نامعلوم وجوہات ہی کی بنا پر اجازت نہیں مل رہی۔ دیگر باہمی دلچسپی کے موضوعات بھی زیر بحث آئے۔

رات کا کھانا دانش گاہ مذاہب الاسلامی کے رئیس ڈاکٹر تمریان کے ہاں تھا۔ یہ دانش گاہ ابھی حال ہی میں قائم کی گئی ہے۔ ڈاکٹر موصوف کی رہائش بھی اسی عمارت میں ہے۔

Comparative Study کے اس پوسٹ گریجویٹ کالج میں طلبہ کی تعداد ۱۰۰ ہے۔ طلبہ سے کوئی فیس نہیں لی جاتی بلکہ چیدہ طلبہ کو وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ کھانے کے موقع پر چند مزید شخصیات سے بھی ملاقات ہوئی جیسے ڈاکٹر سید مصطفیٰ میر داماد جو تہران یونیورسٹی میں visiting professor ہیں۔ مولانا اسحاق مدنی سے بھی یہیں ملاقات ہوئی۔ مولانا اسحاق مدنی کا تعلق ایرانی بلوچستان سے ہے۔ کراچی سے فارغ التحصیل ہیں اور اس وقت صدر ایران رفسنجانی کے مذہبی مشیر برائے سُنّی امور ہیں۔ مولانا اسحاق مدنی جب آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی کے ہمراہ دورۂ پاکستان کے موقع پر ان کے ہمراہ قرآن اکیڈمی تشریف لائے تھے، ان سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی۔

کھانے کے اس اجتماع کے موقع پر بھی مختلف موضوعات پر گفتگو جاری رہی۔ امیر محترم نے انجمن و تنظیم کا تعارف اور ان کے دائرہ کار کو واضح کیا۔ سیرت نبویؐ کی روشنی میں اپنے منہج انقلاب کو واضح کیا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ انقلاب کے آخری مرحلہ کے لئے جناب خمینی کی سربراہی میں برپا کیا گیا انقلاب ایران مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ افغانستان کی صورتحال اور اس میں طالبان کا کردار بھی زیر بحث آیا۔ امیر محترم نے سوال کیا کہ کیا انقلاب ایران کے بعد اب عوام الناس کی جانب سے اس انقلاب کی حمایت میں اضافہ ہو رہا ہے یا کمی ہو رہی ہے؟ یہ سوال چونکہ بالکل غیر متوقع تھا اس لئے پہلے تو گول مول سا جواب ملا کہ عوام حکومتی اجتماعات میں کثیر تعداد میں شریک ہوتے ہیں، نیز یہ کہ انقلاب مخالف لوگ اگرچہ موجود ہیں لیکن بہت قلیل تعداد میں اور دبے ہوئے ہیں۔ لیکن بعد ازاں جناب غفاری نے تسلیم کیا کہ انقلاب کے بعد لوگوں کے لئے معاشی مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ اس میں کچھ تو بین الاقوامی مہنگائی اور بہت سے ممالک کی جانب سے تجارتی بائیکاٹ بھی ایک عامل ہے۔ نیز ۸ سال کی ایران عراق جنگ نے معیشت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ تاہم جناب غفاری نے کہا کہ حکومت ایران نے بہت سے ترقیاتی منصوبے شروع کر رکھے ہیں، مثلاً بیسیوں کی تعداد میں ڈیم تعمیر ہو رہے ہیں، سینکڑوں فیکٹریاں زیر تعمیر ہیں، ظاہر ہے کہ حکومت کو ان منصوبوں پر کثیر رقم خرچ کرنا پڑ رہی ہے، لہٰذا عوام کے لئے معاشی مسائل تو یقیناً ہیں، لیکن جناب غفاری نے کہا کہ عوام اس بات کو سمجھتے ہیں اور بقول ان کے انقلاب کی حمایت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایران میں بعض اداروں میں تو مردوں اور عورتوں کے دائرہ کار کو علیحدہ کیا گیا ہے لیکن بعض مقامات پر اس کا اہتمام نہیں ہے، مثلاً مردوں کے ہسپتال میں خواتین نرسیں کام کرتی ہیں۔ ایئر ہوسٹس کسی محرم کے

بغیر دور دراز کا سفر کرتی ہیں جو دینی تعلیمات کے خلاف ہے۔ جناب غفاری نے اس ضمن میں بھی حکومت کی کوتاہی کا اعتراف کیا۔

۲۱/اکتوبر۔ آج صبح ۹ بجے پاکستانی سکول میں اساتذہ اور طلبہ سے ملاقات اور خطاب کا پروگرام تھا، لیکن امیر محترم کی طبیعت اچانک بہت ناساز ہو گئی جس کی بنا پر یہ پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔ ساڑھے دس بجے رہبرانقلاب جناب آیت اللہ خامنہ ای سے ملاقات کا وقت طے کیا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ پیر کا روز علماء اور اہم شخصیات سے ملاقات اور بدھ کا دن عوام الناس کے لئے مختص ہے۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ ہماری ان سے ملاقات اسی اجتماعی ملاقات کے حوالے سے تھی، خصوصی نہ تھی۔ تاہم یہ اجتماعی ملاقات ایک لحاظ سے ہمارے حق میں بہتر ہی ثابت ہوئی، جس کا ذکر ابھی آئے گا۔ رہبرانقلاب کے لئے سیکورٹی کے بہت سخت انتظامات کئے جاتے ہیں۔ ملاقاتی کو کوئی چیز اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں۔ ہماری گھڑیاں، پن، بٹوے، ڈائریاں وغیرہ سب رکھوالی گئیں۔ کسی کیمرے یا ٹیپ ریکارڈر کے لے جانے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ اس سب کے باوجود دو مرتبہ ایک خاص دروازے (غالباً Metal Detector) سے بھی گزارا جاتا ہے اور تلاشی بھی لی جاتی ہے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ عین اس موقع پر آیت اللہ تسخیری تشریف لے آئے جن کی وجہ سے امیر محترم کے لئے بہت آسانی پیدا ہو گئی۔ رہبرانقلاب جناب خامنہ ای سے اجتماعی ملاقات میں قریباً ۵۰ کے قریب حضرات موجود تھے۔ کچھ لوگ اپنے مسائل بھی بیان کر رہے تھے جو فارسی زبان میں بیان کئے جانے کے سبب ہمارے لئے ناقابل فہم تھے۔ تھوڑی دیر بعد جناب خامنہ ای ہماری جانب متوجہ ہوئے اور مختصر سی گفتگو میں ہمارے (امیر محترم + وفد) لئے استقبالی اور خیرسگالی کے کلمات کہے۔ امیر محترم نے اپنی جوابی تقریر میں شکریہ کے بعد اپنا اور اپنے مشن کا تعارف کروایا۔ تنظیم اسلامی کے ہدف اور اس کے طریق کار خاص طور پر انقلاب کے آخری مرحلہ کے لئے انقلاب ایران سے رہنمائی حاصل کرنے کا تذکرہ کیا۔ نیز پاکستان میں اسلامی انقلاب کے لئے شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کرنے کے بعد اس مفاہمت کے لئے اپنے فارمولے کا ذکر کیا۔ گویا امیر محترم نے مختصر الفاظ میں تنظیم اسلامی کی دعوت اور اس وقت کے بین الاقوامی حالات کے بارے میں اپنا نقطہ نظر واضح کیا۔ یہ ملاقات اس لحاظ سے اہم تھی کہ ساری باتیں ایران کی اس وقت کی سب سے بڑی شخصیت کے ساتھ ساتھ بہت سے اہم حضرات کے سامنے بھی آ گئیں اور اس طرح یہ "اجتماعی ملاقات" ایک اعتبار سے مفید تر ہو گئی۔ جناب خامنہ ای نے بعد میں فرمایا کہ آپ کی باتیں بڑی قیمتی اور قابل

فورہیں۔

چار بجے سہ پہر پریس کانفرنس سے خطاب تھا۔ بتایا تو یہی گیا تھا کہ یہ پریس کانفرنس انگریزی [illegible] ہو گی لیکن وہاں موجود اکثر صحافی انگریزی سے ناواقف نکلے' لہٰذا دو طرفہ ترجمانی کی [illegible]افی وقت صرف ہو گیا۔ امیر محترم نے قریباً ۲۰۔ ۲۵ منٹ خطاب کیا۔ امیر محترم نے تفصیلاً اپنا اور اپنے مشن کا تعارف کروایا۔ تنظیم اسلامی کے اہداف' اس کے طریق کار اور تنظیمی اساس کا ذکر کیا۔ گویا بیعت کا تذکرہ یہاں بھی تفصیل سے ہو گیا۔ نظام خلافت کی بات بھی ہوئی اور یہ کہ تنظیم اسلامی اولاً پاکستان اور بالآخر پوری دنیا پر نظام خلافت کی جدوجہد کے لئے قائم کی گئی ہے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ ہمارا ہدف اگرچہ بہت بلند ہے لیکن ہماری تعداد ابھی بہت تھوڑی ہے۔ لیکن ہمارے لئے یہ بات باعث اطمینان ہے کہ ہم اپنی فہم اور سوچ کے مطابق سیرت کی روشنی میں صحیح سمت میں گامزن ہیں۔

امیر محترم نے فرمایا کہ پاکستان اور ایران میں حقیقی دوستی اور تعاون کی شکل تبھی پیدا ہو سکتی ہے جب پاکستان میں بھی اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔ پاکستان میں نظام خلافت کے لئے شیعہ سنی مفاہمت ضروری ہے اور اس کے لئے واحد قابل عمل فارمولا وہی ہے جس کا تذکرہ ایران کے آئین میں کر دیا گیا کہ چونکہ اکثریت شیعہ مسلمانوں کی ہے لہٰذا یہاں پبلک لاء تو فقہ جعفریہ کے مطابق ہو گا ہاں البتہ پرسنل لاء میں سنیوں کو آزادی ہو گی کہ وہ اپنی عبادات اور نکاح' طلاق کے معاملات کو اپنی فقہ کے مطابق طے کر لیں۔ جناب آیت اللہ واعظ زادہ کے حوالے سے امیر محترم نے فرمایا کہ جناب خمینی کا موقف یہی تھا کہ مسلمان ممالک میں جس فقہ کو ماننے والوں کی اکثریت ہو وہاں پبلک لاء وہی ہو گا' تاہم دوسرے لوگوں کو پرسنل لاء میں مکمل آزادی ہو گی۔ اسی اصول کو اگر پاکستان میں ہمارے شیعہ بھائی تسلیم کر لیں تو یہاں نفاذ اسلام میں بڑی سہولت پیدا ہو جائے گی۔ اسی صورت میں پاکستان' ایران' افغانستان اور روسی ترکستان کی نو آزاد مسلم ریاستوں پر مشتمل مضبوط اسلامی بلاک نیو ورلڈ آرڈر کا مقابلہ کر سکتا ہے ورنہ ہمارا دشمن ہمیں ایک ایک کر کے اپنا ٹارگٹ بنا کر اپنا مقصد حاصل کر لے گا اور ہم کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ میں ایران کے عوام اور حکومت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے تعلقات کو جو ان کے پاکستان میں شیعہ حضرات کے ساتھ ہیں استعمال کرتے ہوئے انہیں اس فارمولا کو قبول کرنے پر آمادہ کریں۔

امیر محترم کے بیان کے بعد چند ایک سوالات بھی کئے گئے' مثلاً ایک سوال یہ تھا کہ کیا

پاکستان میں جو انقلاب پیش نظر ہے وہ نظریاتی ہو گا یا سیاسی؟ امیر محترم نے فرمایا کہ سیاست اسلام کا جزو ہے اس لئے یہ ایک مکمل انقلاب ہو گا' لیکن یہ الیکشن کی سیاست سے نہیں آئے گا۔ کیا خمینی الیکشن کے ذریعے ایران میں انقلاب لا سکتے تھے؟ ہرگز نہیں!! اسی طرح ہم پاکستان میں الیکشن کے ذریعے اسلامی انقلاب نہیں لا سکتے۔ ایک سوال یہ تھا کہ کیا باہر کی حکومتیں پاکستان میں شیعہ سنی فرقہ بندی کو ہوا دے رہی ہیں؟ امیر محترم نے جواب دیا یقیناً! چنانچہ امریکی دانشور Huntington کے مقالے ?The Clash of civilizations کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ۔ "نیشِ عقرب نہ از پئے کین است۔ اقتضائے طبیعتش این است" کے مصداق ہمارے دشمن کی دشمنی کا تقاضا ہے کہ وہ ہمیں کمزور کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرے۔ یہ تو ہمارے سوچنے کی بات ہے کہ ہم اس کا توڑ کیسے کر سکتے ہیں۔

یہ پریس کانفرنس بہت سے اعتبارات سے بڑی اہم رہی' لیکن افسوس کہ میڈیا نے اس کو زیادہ نمایاں نہیں کیا' بلکہ محسوس ہوا کہ ذرائع ابلاغ کی جانب سے ہمارے دورے سے صرف نظر کی پالیسی اپنائی گئی تھی۔ مثلاً رات کو ٹیلی ویژن کی خبروں میں جناب خامنہ ای کی آج کی اجتماعی ملاقات کو ٹیلی کاسٹ کیا گیا جس میں بقیہ حاضرین کو تو دکھایا گیا ہماری کوئی جھلک نہیں آنے پائی۔ ٹیلی ویژن کا تذکرہ آیا ہے تو ایرانی ٹیلی ویژن کی خوبیاں قابل تعریف ہے اس کو بیان نہ کرنا زیادتی ہو گی کہ ایرانی ٹیلی ویژن عریانی اور فحاشی سے مکمل طور پر پاک ہے۔ پروگرام عموماً بامقصد ہوتے ہیں۔ عورت کو دکھایا بھی جاتا ہے تو "حجاب" میں اور میک اپ کے بغیر۔ جو تھوڑے بہت ڈرامے دکھائے جاتے ہیں ان میں بھی عورت "حجاب" میں ہوتی ہے۔ غرضیکہ آپ ایرانی ٹیلی ویژن کو بلا جھجک اپنے اہل خانہ کے ساتھ بیٹھ کر دیکھ سکتے ہیں' جو پاکستان میں تو ناممکن ہے۔

پریس کانفرنس کے بعد ریڈیو کی عربی سروس والوں نے امیر محترم کا ۱۵ منٹ کا انٹرویو ریکارڈ کیا جبکہ اردو سروس کے نمائندے سید امیر علی ہوٹل میں انٹرویو ریکارڈ کرنے کے لئے آئے۔ یہ انٹرویو تقریباً ایک گھنٹہ پر مشتمل تھا۔ ریڈیو کی اردو سروس کو امیر محترم نے اپنی کتابوں کا مکمل سیٹ ہدیتاً پیش کیا۔ اردو سروس کے عملے کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ اگلے ہی روز انہوں نے اس انٹرویو کی آڈیو کیسٹ ہمیں فراہم کر دی۔

۲۲/ اکتوبر۔ آج کا دن مشہد کے لئے مختص تھا۔ اہل تشیع کے نزدیک یہ نہایت مقدس شہر ہے جس میں ان کے آٹھویں امام جناب علی رضاؒ مدفون ہیں۔ شیعہ حضرات ان کے مزار کو حرم

کہتے ہیں یہ شہر تہران سے قریباً ۹۵۰ کلومیٹر دور ہے۔ فلائٹ نے ایک گھنٹہ دس منٹ لئے۔ ہمارے لئے یہاں کا visit اس لئے بھی اہم تھا کہ ہمارے اصل میزبان جناب آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی سے ملاقات یہیں ہونا تھی۔ یاد رہے کہ مشہد ایران کے موجودہ صوبہ خراسان کا ایک اہم شہر ہے۔ جبکہ وہ خراسان جو کہ حضور ﷺ کے وقت میں تھا اور جس کو اہل ایران کی اصطلاح میں "خراسانِ بزرگ" کہا جاتا ہے' ایران کے اس حصے کے علاوہ قریباً پورے افغانستان' روسی ترکستان اور پاکستان کے شمالی علاقے کے ایک اہم حصے پر مشتمل ایک بہت بڑا ملک تھا۔ اسی "خراسانِ بزرگ" کے بارے میں حضور کی پیشین گوئی موجود ہے کہ یہاں سے سیاہ پرچم چلیں گے (یعنی اسلامی افواج) جنہیں کوئی شے واپس نہیں کر سکے گی یہاں تک کہ وہ ایلیا (بیت المقدس) میں نصب کر دیئے جائیں گے۔

مشہد میں ہمیں ایک بہت بڑی لائبریری دکھائی گئی جو اپنی نوعیت کی منفرد لائبریری ہے۔ اپنی خوبصورتی' وسعت' اور جدید سہولیات کے حوالے سے اس کا visit ہمارے لئے ایک خوشگوار حیرت کا سبب بنا۔ لائبریری کی عمارت تین منزلہ ہے۔ ایک بہت بڑا سمپوزیم اور دو وسیع و عریض دار المطالعہ ہیں۔ کتابوں کی تعداد ۵ لاکھ ہے۔ Cataloging کا نظام پوری طرح سے کمپیوٹرائزڈ ہے۔ لائبریری کی اپنی ایک خوبصورت مسجد ہے جس کے درمیان میں ایک ستون نبی اکرم ﷺ کے ورودِ یثرب کے موقع پر تعمیر ہونے والی مسجد یعنی مسجد قبا کی اولین تعمیر کی طرز پر بنایا گیا ہے جس کے درمیان کھجور کے تنے کا واحد ستون تھا۔ چھت پر لکڑی کا کام بہت عمدہ انداز میں کیا گیا ہے۔ چاروں کونوں میں "اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کے الفاظ روشنی پھیلاتے ہیں۔ غرضیکہ یہ جگہ دیکھنے کے لائق ہے۔ اسی کے ساتھ ایک کمپلیکس میں "دانش گاہ" بھی ہے۔ اسی دانش گاہ میں ہماری ملاقات جناب آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی سے ہوئی۔ جناب واعظ زادہ انگریزی زبان نہیں سمجھ سکتے لہٰذا مترجم کے ذریعے گفتگو ہوئی۔ "دانش گاہ" کا تعارف کروایا گیا۔ اس وقت ۲۰۰ طالب علم یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں جن کے لئے تعلیم' رہائش' کھانا اور دیگر روزمرہ کی ضروریات بالکل مفت مہیا کی جاتی ہیں۔

لائبریری اور دانش گاہ ایک بہت بڑے کمپلیکس پر محیط ہیں۔ امیر محترم نے اگرچہ اکثر و بیشتر وہیل چیئر کی سہولت سے استفادہ کیا جو ہم پاکستان سے ہی ساتھ لے گئے تھے لیکن بعض جگہوں پر سیڑھیاں بھی تھیں اور کچھ پیدل چلنے کی وجہ سے امیر محترم تکان محسوس کر رہے تھے لہٰذا دوپہر امیر محترم نے ہوٹل میں آرام کیا۔ ہمارا ارادہ تھا کہ ہم اس دوران بازار کا ایک چکر

لگالیں گے لیکن معلوم ہوا کہ یہاں "قیلولہ" کے لئے دوپہر کے اوقات میں تمام بازار بند رہتے ہیں۔ ناچار ہمیں بھی آرام کرنا پڑا۔

شام کو جناب علی قمی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ لاہور میں ۵ سال تک قونصل جنرل کے عہدہ پر فائز رہے ہیں۔ آج کل وزارت خارجہ سے منسلک ہیں اور مشہد میں قیام پذیر ہیں۔ رات کی فلائٹ سے ہم واپس تہران کے لئے عازم سفر ہوئے۔ اس سفر میں جناب آیت اللہ واعظ زادہ بھی ہمارے ساتھ تھے۔

۲۳/اکتوبر ہماری پاکستان واپسی کا دن تھا۔ جناب واعظ زادہ نے ناشتہ ہمارے ساتھ ہوٹل ہی میں کیا جہاں قریباً ایک گھنٹہ تک امیر محترم کی ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو جاری رہی۔ مثلاً اسلامی حکومت میں تنازعات کے حل کے لئے کس سے رجوع کیا جائے۔ جناب واعظ زادہ نے تسلیم کیا کہ ہمارے ہاں اس قسم کے ادارے ابھی پوری طرح مستحکم نہیں ہوئے، ابھی تو شخص واحد (رہبر انقلاب) کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے۔ ریاستی سطح پر ابھی بہت سی باتیں یہاں طے کرنا باقی ہیں۔ امیر محترم نے اپنا فکر پیش کیا کہ آج کے حالات میں تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں قابل عمل صورت یہ ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کی طرف رجوع کیا جائے اور وہ اس کا فیصلہ کریں جبکہ علماء اور اہل علم اپنے دلائل کے ذریعے عدالتوں کی رہنمائی کریں۔ اس ضمن میں اگر شخص واحد یا علماء کے بورڈ کے حوالے یہ کام کر دیا جائے تو یہ روح عصر کے منافی ہو گا۔ امیر محترم نے محسوس کیا کہ اگر خطبات خلافت کا فارسی ترجمہ کر کے ہم ان حضرات تک پہنچا سکیں تو شاید ہمارا نقطہ نظر ان حضرات پر اچھی طرح واضح ہو جائے!

اس کے علاوہ بھی بہت سے علمی مسائل زیر بحث آئے جن سب کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں ہے۔ مقامی وقت کے مطابق ۹ بجے میزبان جناب آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی سے رخصت ہو کر ہم "فرودگاہ" یعنی ایئرپورٹ کی جانب روانہ ہوئے۔ رخصت کرتے وقت جناب آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی نے ایک طغرہ اور مختلف کتابیں ہدیتاً پیش کیں۔

اس پورے سفر کے دوران جناب واعظ زادہ کے پرسنل اسسٹنٹ میر آقائی، جناب عبدالحمید طالبی اور جناب انصاری نے ہر وقت ہماری ضروریات کا خیال رکھا اور حق میزبانی ادا کر دیا۔ عربی زبان میں "سفر" کے معنی روشنی کے بھی ہیں اور یقیناً سفر سے حقائق و واقعات کے ضمن میں روشنی حاصل ہوتی ہے۔ بہرحال اس سفر سے جو روشنی ہمیں حاصل ہوئی اس کا کچھ حصہ میں نے آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔ ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف!

بقیہ : سنگ میل

سے تھامے رکھئے اور اس خطرے سے نمٹنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم طے کر لیں کہ ہم نے ترجیح دنیا کو دینی ہے یا آخرت کو!

ڈاکٹر صاحب نے چوتھی چیز یہ بیان فرمائی کہ ہدایت کا تھامے رکھنا کوئی آسان کام نہیں۔ زندگی میں کئی موڑ ایسے آتے ہیں کہ بڑے سے بڑے لوگ بھٹک جاتے ہیں اور انسان اور جہنم کے درمیان محض بالشت بھر فاصلہ رہ جاتا ہے' لہٰذا ہمیں اس کے لئے ہمیشہ "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ" کی دعا کثرت سے کرتے رہنا چاہئے' اور اس ضمن میں اس بات کا بھی خاص خیال رکھنا چاہئے کہ ہمیں جو ہدایت ملی ہے وہ ہماری اپنی یافت نہیں' اللہ کا فضل ہے۔

امیر محترم کے خطاب کے بعد قافلہ تنظیم میں شامل ہونے والے نئے ہم سفروں نے امیر تنظیم اسلامی کے ہاتھ پر سمع و طاعت فی المعروف کی بیعت کی۔ اس کے بعد نماز ظہر ادا کی گئی جس کے فوری بعد اجتماع کے شرکاء نے کھانا کھایا اور پھر مختلف علاقوں سے آئے ہوئے یہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہونے لگے۔

تنظیم اسلامی کا یہ اجتماع چونکہ پہلی دفعہ بیرون لاہور کسی بڑے شہر میں منعقد کیا گیا تھا' اس لئے کسی نئے مقام پر اجتماع کا یہ پہلا تجربہ تھا---اس کے لئے انتظامات بھی واقعتاً ایک سخت محنت طلب کام تھا۔ لیکن جس محنت اور جانفشانی کے ساتھ حلقہ شمالی پنجاب کے رفقاء نے کام کیا' وہ سب رفقاء کے لئے قابل تقلید ہے' اور خاص طور پر اس پہلو سے کہ بارش کے باعث مقامی رفقاء کو بالکلیہ متبادل انتظامات کرنے پڑے' اور اس کے لئے ظاہر ہے کہ انہیں ذہنی و جسمانی ہر دو صعوبتوں سے سابقہ پڑا' لیکن انہوں نے ہر مرحلے پر صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا' دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ہم سب کو اپنی زندگیاں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے مطابق بسر کرنے اور دین کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کی جدوجہد میں اپنی تمام ذہنی و جسمانی توانائیاں صرف کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین OO

حسن کاراز

—— طیبہ یاسمین ——

میرا مشاہدہ ہے کہ چالیس برس کی عمر کے بعد بہت سی خواتین کو اپنے حسن کے ڈھلنے کا بہت احساس ہوتا ہے۔ کبھی وہ اپنی اور اپنے ساتھیوں کے بالوں میں سفیدی کو ڈھونڈتی' کبھی جسم اور چہرے کی ڈھلکتی ہوئی جلد کو ٹٹولتی ہیں تو کبھی چہرے کی نرم جلد اور ماتھے کی لکیروں پر غور کر کے یاد ماضی یعنی ایام جوانی اور حسن کو یاد کر کے خود بھی افسردہ ہوتی اور دوسروں کو بھی اس غم میں مبتلا کرنے کی کوشش میں دانستہ و نادانستہ مبتلا ہو جاتی ہیں۔ ماہرین حسن و زیبائش سے کریمیں' لوشن اور مساج کے مختلف طریقے پوچھ پوچھ کر اور استعمال کر کے وقت اور پیسے کا ضیاع کرتی ہیں۔ جو صاحب حیثیت و اختیار ہوں وہ پلاسٹک سرجری کے ذریعے صرف چہرے کی جلد کو تنا ہوا پا کر اور بھی مضحکہ خیز لگتی ہیں اور اس طرح قدرت سے جنگ کرنے کے بعد شکست کھا کر اور بھی بددل' مایوس اور نفسیاتی مریض بنتی ہیں۔

آخر بڑھتی ہوئی عمر سے خوف زدہ کیوں ہوا جائے۔ زندگی تو اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ وہ ایک مقصد کے لئے ہمیں عطا کی گئی ہے۔ اگر احساس زندہ ہو اور مقصد تخلیق واضح ہو اور سامنے ہو تو پھر ہر آتے ہوئے دن پر شکر کرنا چاہئے کہ نیکی اور توبہ کا در ابھی کھلا ہے۔ زندگی کی مہلت ملتے رہنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا مقام ہے کہ اس نے ابھی آپ کو اپنے پیاروں اور جن کی ذمہ داریاں آپ کے کاندھوں پر ہیں ان کو پوری کرنے کی مہلت دی ہوئی ہے۔ فرمان نبویؐ کے مطابق ہر آنے والا دن پچھلے دن سے عمل میں بہتر ہونا چاہئے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ایک ہی سال پیدائش کے لوگ بڑے ہو کر چار پانچ برس کے وقفہ کے شکار ہو جاتے ہیں۔

خوبصورتی کے کم ہونے یا ختم ہونے سے انسان کیوں گھبراتا ہے۔ اس لئے کہ اس طرح وہ محفلوں اور لوگوں میں غیر اہم اور غیر مقبول ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ نگاہوں کا مرکز نہیں رہتا۔ لیکن ہر چیز کو ایک زوال ہے۔ جسمانی حسن ایک حد تک جا کر زوال پذیر ہو کر انسان کو مبتلائے اذیت کر دیتا ہے۔ مگر انسانی روح اور ذہن مسلسل ترقی پذیر رہتے ہیں۔ باطنی اور ذہنی خوبصورتی مسلسل نشوونما پاتی اور انسان کو لازوال بناتی ہے۔ اس لئے اگر ظاہر خوبصورت نہیں رہا تو غم کیا ہے، باطن کو خوبصورت بنا کر آپ زیادہ پیاری لگیں گی۔ اسی افزائش حسن کے نسخہ کی طرف میں آپ کو متوجہ کر رہی ہوں۔

کیا آپ نے کبھی ایسے پیارے پیارے، شفیق نورانی چہروں والے بوڑھے نہیں دیکھے کہ جن کو دیکھتے ہی ان سے مارے محبت کے لپٹ جانے کو دل چاہے۔ ان کی زندگی کے تجربوں سے بھرپور دلائل اور باتیں، ان کے علم و تجربہ کی روشنی، ان کی محبت، ان کی مثبت سوچ، تحمل، رواداری، ان کی رہنمائی، ان کے دیئے گئے احساس تحفظ کی کشش کے آگے کیا حسین سے حسین نوجوان ٹھہر سکتے ہیں؟ حسن کیا ہے؟ کشش ہی تو ہے۔ تو ایسے ہی حسین بوڑھے بنئے اور سب کو عزیز ہو جایئے کہ انسان کی ذہنی، باطنی اور روحانی خوبیاں اور حسن ہر چیز پر حاوی ہو جاتے ہیں اور اس لحاظ سے انسان جتنا خوبصورت ہو گا اتنا ہی ابدی ہو گا۔ جسمانی حسن ناپائیدار ہے اور روحانی حسن و ترقی لازوال۔

اہم اطلاع

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے قرآن اکیڈمی میں الیکٹرانک میل کی سہولت حاصل کر لی ہے، رابطے کا پتہ حسب ذیل ہے:

anjuman@paknet1.ptc.pk

نیز تنظیم اسلامی شمالی امریکہ کا Home page مندرجہ ذیل پتے پر دیکھا جا سکتا ہے:

http://gramercy.ios.com/~tina